قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ (رواہ البخاری)

سلسلۂ تبلیغ ۵۶

بار اول ۳۳۰۰

وعظ

رجاء اللقاء

(اللہ سے ملنے کی تمنا)

از افادات
حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات وحواشی
مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبۂ نشر واشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور ۱۸
فون کامران بلاک ۴۴۸۰۰۹۰ - ۵۲۲۲۲۱۳ پرانی انارکلی ۷۳۵۳۲۲۸

رجب المرجب ۱۴۱۹ھ — نومبر ۱۹۹۸ء

رجاء اللقاء

یہ وعظ

۱۱ شوال سنہ ۱۳۳۷ھ میں بمقام
کیرانہ بر مکان مولوی حبیب احمد صاحب
حضرت نے ارشاد فرمایا، جسے شیخ الاسلام
حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قلمبند فرمایا
سامعین میں مردوں کی تعداد تقریباً ۵۰ تھی۔

رجاء اللّقاء

بسم اللّٰه الرحمن الرحیم

الحمدللّٰه نحمده و نستعینه و نستغفره و نومن به و نتوکل علیه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یهده اللّٰه فلا مضل له و من یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شریک له ونشهد أن سیدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وعلی آله واصحابه وبارک وسلم .

امابعد: فاعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم . بسم اللّٰه الرحمن الرحیم. من کان یرجو لقاء اللّٰه فان اجل اللّٰه لات وهو السمیع العلیم.

(جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ تعالیٰ کا وہ معین وقت ضرور ہی آنے والا ہے وہ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے)

رحمت خداوندی

اما بعد[1] یہ ایک آیت ہے سورۃ عنکبوت کی جس میں حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عمل کے آسان ہونے کا ایک طریقہ بتلایا ہے اور ایک خاص طریق کے اختیار کرنے کا امر[2] کیا ہے جس سے عمل آسان ہوجاتا ہے اور یہ بھی حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ احکام بیان فرما کر ان کے سہل اور آسان ہونے کی تدبیر بھی

(١) خطبہ اور آیت کی تلاوت کے بعد عرض ہے کہ (٢) حکم دیا ہے

بتلا دیتے ہیں ورنہ ان کو اس کی کیا ضرورت تھی۔ وہ ہر طرح مالک و مختار ہیں ہم کو جو چاہیں حکم فرمائیں پھر وہ خواہ آسان ہو یا دشوار[۱] سو اس کا بجالانا ہمارا فرض منصبی[۲] ہے مگر جس طرح حق تعالیٰ کو ہم سے مالک و خالق ہونے کا تعلق ہے اسی طرح رحمت و کرم کا تعلق بھی ہے ان کو اپنے بندوں سے محض ضابطہ ہی کا تعلق نہیں جیسا کہ حکام کو ہوا کرتا ہے۔ ان کو اپنے بندوں پر ماں باپ سے بھی زیادہ شفقت ہے۔ اس وجہ سے وہ اول تو احکام ہی آسان بیان فرماتے ہیں پھر ان آسان احکام کے ساتھ تدبیریں بھی ایسی بتلادی ہیں جن کو اختیار کرنے سے وہ بہت ہی زیادہ سہل[۳] ہوجاتے ہیں۔

دین کے آسان ہونے کا مفہوم

یہی معنی ہیں "الدین یسر" (دین آسان ہے) کے لوگ دین کے آسان ہونے کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ سب کام خود بخود ہونے لگیں ہمیں کچھ کرنا نہ پڑے نہ ارادہ، نہ ہمت اور نہ کوئی تدبیر۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آسان ہونے کا یہی مطلب ہے تو پھر دنیا میں آسان کام ایک بھی نہ رہے گا سب سے زیادہ آسان کام بالاتفاق روٹی کھانا ہے لیکن وہ بھی پہلے ہی دن آسان نہیں ہو گیا اس کے آسان بنانے کی بھی تدبیریں کی جاتی ہیں پہلے بچہ دودھ پیتا ہے پھر جب ایک سال کا ہوتا ہے تو اس کو چاول کھچڑی وغیرہ نرم کرکے کھلاتے ہیں۔ پھر روٹی شوربے میں بھگو کر دیتے ہیں پھر چھوٹا سا ٹکڑا اس کے منہ میں دیتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہ خود کھانے لگتا ہے جس سے پہلے پہل اس کو تکلیف پہنچنے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے اس کے ہضم کے لیے کچھ ادویہ وغیرہ کھلاتے ہیں اس طرح مہینوں میں جا کر بچہ اس

(۱) مشکل (۲) ہماری ذمہ داری ہے (۳) آسان

قابل ہوتا ہے کہ بے تکلف روٹی کھاسکے اور ہضم کرسکے جب سب سے زیادہ آسان کام کی یہ حالت ہے کہ وہ تدبیروں اور طریقوں سے آسان معلوم ہونے لگیں اور تدبیر و ہمت سے کچھ بھی کام لینا نہ پڑے ان کے آسان ہونے کا بھی یہی طریقہ ہے کہ پہلے ان کاموں کو ہمت سے شروع کردیجیے دیکھیے اگر والدین بچہ کو سات برس تک روٹی کھانا نہ سکھلائیں تو اس کو روٹی کھانا سات برس تک بھی آسان نہ ہوگا۔

اعمال حسنہ کے آسان ہونے کا طریق

اسی طرح دین کے کام بھی بدوں[1] کیے آسان نہیں ہوسکتے اول ان کو شروع کیجیے پھر ان تدبیروں کو اختیار کیجیے جو حق تعالیٰ نے احکام کے آسان کرنے کی بتلائی ہیں پھر وہ ایسے آسان ہوجائیں گے کہ روٹی کھانا بھی اتنا آسان نہ ہوگا۔ روٹی کے بغیر آپ گزر کرسکیں گے اور ان اعمال و احکام کے بغیر صبر نہ ہوسکے گا۔

اب سنیے اس آیت میں حق تعالیٰ نے عمل کے آسان ہونے کا طریقہ بتلایا ہے اور وہ طریقہ دو باتوں میں سے ایک بات ہے اور وہ دونوں ایسے ہیں کہ دوسری آیات سے دونوں کا نافع[2] ہونا اور عمل کے لیے معین ہونا معلوم ہوتا ہے لہذا اس وقت دونوں کا ذکر کیا جائے گا لیکن اس آیت میں دونوں مراد نہیں بلکہ ایک ہی مراد ہے کیونکہ لفظ "یرجو" کے دو معنیٰ ہیں امید کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور خوف کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ دونوں تفسیر پر جدا جدا ترجمہ ہوگا ایک تفسیر پر یہ ترجمہ ہوگا کہ جس کو خدا سے ملنے کی امید ہو الخ ایک تفسیر پر یہ

---

(۱) بغیر کیے (۲) فائدہ مند ہونا

ترجمہ ہوگا کہ جس کو خدا سے ملنے کا خوف ہو کہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی منہ دکھانا ہوگا الخ دونوں صورتوں میں فرماتے ہیں کہ وہ میعاد ضرور آنے والی ہے۔ ظاہر میں فان اجل اللّٰہ لات (سو اللہ تعالیٰ کا وہ وقت معین ضروری آنے والا ہے)

جزا مقدر

جزا مَن کی معلوم ہوتی ہے مگر واقع میں جزا نہیں حقیقت میں جزا مقدر ہے اور یہ جملہ اس کے قائم مقام ہے جزا مقدر یہ ہے فلیتھئیا لہ ویستعد لہ (پس چاہیئے کہ اس کے لیے تیاری کرے اور مستعد ہوجائے) حاصل یہ ہوا کہ جو شخص خدا سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو اس کی تیاری کرے کیونکہ وہ پیشی کا دن ضرور آنے والا ہے علیٰ ہذا جس کو خدا کا خوف ہو اس کو بھی تیاری لازم ہے اور وہ تیاری یہ ہے کہ اس کے لیے عمل کرے جیسا کہ دوسری نصوص[1] سے بھی معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہوا من اراد الاخرۃ وسعیٰ لھا سعیھا (اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لیے جیسی سعی کرنا چاہیئے ویسی ہی سعی بھی کریگا) اب حاصل یہ ہوا کہ جس کو خدا سے ملنے کی امید یا خوف ہو وہ عمل کے لیے مستعد ہوجائے یہ تو ترجمہ ہوا اب سمجھیے کہ وہ طریقہ عمل کے آسان کرنے کا کیا بتلایا گیا ہے وہ طریقہ صرف لفظ یرجوا میں بیان کیا گیا ہے۔

عمل کے لیے مستعد ہونے کا طریقہ

یعنی عمل کے لیے مستعد اور تیار ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل میں امید

(۱) دوسری آیات و احادیث سے

واشتیاق اور خوف خدا پیدا کرے پس وہ طریقہ امید اور خوف ہے یا یوں کہیے کہ ترغیب و ترہیب یا وعدہ اور وعید ہے جب دل میں رغبت اور شوق ہوگا تو اس کے لیے مستعد ہونا چاہے گا بلکہ دین ہی کی کیا تخصیص ہے یوں کہیے کہ ہر کام اور ہر عمل میں یہی دو طریق کار آمد ہوسکتے ہیں خوف یا رغبت ان دونوں کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوسکتا۔ نہ دنیا کا نہ دین کا اسی لیے مشہور ہے دنیا با امید[1] قائم میرے نزدیک یوں کہنا چاہیے تھا دنیا بامید و بیم[2] قائم مگر شاید جس طرح عربی میں لفظ رجا خوف اور امید دونوں کے واسطے مستعمل ہو فارسی میں بھی امید کا لفظ دونوں کے واسطے مستعمل ہو اس لیے اس مشہور مثل میں صرف امید کے لفظ پر اکتفا کیا یا یہ وجہ ہو کہ زیادہ کام امید سے ہوتے ہیں اس لیے اسی کا ذکر کیا غرض نیک کام کرنے میں بھی یہ دونوں نافع ہیں اور عمل بد کے چھوڑنے میں بھی۔

رغبت کو اعمال صالحہ کے لیے بجالائیں

اس لیے کہ جب رغبت[3] اور خوف دونوں کسی کے دل میں ہوں گے تو رغبت کی وجہ سے اعمال صالحہ کو بجالائے گا کیونکہ رغبت کی وجہ سے ان کے ثواب پر نظر ہوگی خدا تعالیٰ کی رضاء قرب کی طلب ہوگی اور چونکہ اس کے دل میں خوف بھی ہے اس لیے اعمال صالحہ کو چھوڑنے پر وعید ہے اس پر نظر کرکے ان کے چھوڑنے سے رکے گا۔ غرض کہ رغبت کو اعمال صالحہ کے فعل میں دخل ہے۔

خوف کو ترک معاصی[4] میں بڑا دخل ہے

خوف کو ان کے ترک سے بچنے میں دخل ہے اسی طرح معصیت میں مطلوب

(۱) دنیا امید پر قائم ہے (۲) دنیا امید و خوف پر قائم ہے (۳) شوق (۴) گناہوں کا چھوڑنا

یہ ہے کہ اس کو ترک کیا جائے اور معاصی کے ترک پر ثواب و رضاء قرب کا وعدہ تو رغبت کی وجہ سے معاصی کو ترک کرے گا اور خوف کی وجہ سے ان کے فعل سے رکے گا کیونکہ گناہوں کے ارتکاب پر عذاب کی وعید ہے اس طرح سے یہ رغبت اور خوف دونوں مل کر انسان کو طاعات میں مشغول اور معاصی سے متنفر[١] بنا دیں گے اور یہ دونوں مستقل طریقے ہیں ان میں سے اگر ایک بھی حاصل ہو جائے وہ بھی اتباع احکام کے لیے کافی ہو جائے گا کیونکہ اگر صرف خوف ہی ہو اور رغبت نہ ہو تو جب بھی گناہوں سے بچے گا اور طاعات[٢] کو ترک نہ کرے گا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں گناہ کا اندیشہ ہے اور اگر صرف رغبت ہی ہو جب بھی طاعات کو بجالائے گا اور گناہوں کو چھوڑ دے گا کیونکہ ان دونوں میں ثواب کا وعدہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ طاعات کے بجالانے اور معاصی کے چھوڑنے میں ان دونوں میں سے ہر واحد[٣] کو دخل ہے۔ اب ہم لوگوں میں جو اعمال کی کمی ہے اس کا منشا[٤] یہ ہے کہ ہم کو رغبت اور خوف جیسا ہونا چاہیئے ویسا نہیں اگر یہ رغبت اور خوف کامل ہو تو ہر حکم کے بجالانے اور ہر گناہ کے چھوڑنے کا اہتمام پیدا ہو جائے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ بعض طاعات کو ضروری سمجھتے ہیں اور ان کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور بعض طاعات کا بالکل اہتمام نہیں ہوتا اسی طرح گناہوں میں سے بعض موٹے موٹے گناہوں سے بچنے کا تو اہتمام کرتے ہیں ان کے سوا اور گناہوں کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ حالانکہ اعتقاد میں تمام گناہوں کو گناہ اور تمام فرائض و واجبات کو فرض و واجب مانتے ہیں مگر عملاً سب کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔

---

(١) نفرت کرنے والا (٢) نیک اعمال (٣) ہر ایک کو (٤) وجہ

جملہ معاصی[1] کو نہ چھوڑنے کا سبب خواہشات نفسانی ہے

اس سے صاف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن طاعات کو ہم بجالاتے ہیں اور جن گناہوں سے بچتے ہیں ان میں اپنی خواہش کا اتباع کرتے ہیں جن طاعات میں دنیا کا کچھ نقصان نہ ہو جسم کو کلفت[2] نہ ہو ان کو کرلیا باقی کو حذف[3] کردیا اور جن گناہوں میں بدنامی اور رسوائی کا اندیشہ ہوا ان کو چھوڑدیا۔ باقی گناہوں کی ذرا پروا نہیں کی جاتی اگر ہم کو رضاء و قرب الٰہی کی رغبت یا عذاب آخرت کا خوف ہوتا تو تمام طاعات[4] اور تمام معاصی کا پورا اہتمام ہوتا یہ تو ہر اک کو معلوم ہے کہ نماز روزہ زکوۃ وحج وغیرہ کا کرنا واجب ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ دوسروں کا حق ادا کرنا بہنوں کا حصہ دینا بھی واجب ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح زنا اور چوری گناہ ہے غیبت اور جھوٹ اور بہتان[5] بھی گناہ ہے۔ اسی طرح کسی کا مال دبانا خواہ زمین جائداد ہو یا اناج اور نقد یہ بھی سخت گناہ ہے مگر دیکھ لیجیے کہ ان میں سے ہم کتنی باتوں کا اہتمام کرتے ہیں بڑی بہادری کریں گے تو نماز پڑھ لیں گے کیونکہ اس میں کچھ حرج نہیں ہوتا مگر حقوق کبھی ادا نہ کریں گے بہنوں کا حصہ کبھی نہ دیں گے کیونکہ اس میں گھر سے روپیہ نکلتا ہے۔ گناہوں میں چوری اور زنا سے بچیں گے کیونکہ اس میں رسوائی اور بدنامی بھی ہے اور سزا کا بھی اندیشہ ہے مگر غیبت جھوٹ بہتان سے نہیں بچتے پرایا مال دبانے اور حرام کھانے سے نہیں رکتے۔ نامحرم عورتوں کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں امانت میں خیانت کرتے ہیں کیا یہ زنا اور چوری نہیں مگر ان کو لوگ گویا گناہ ہی نہیں سمجھتے اور اگر دل میں گناہ سمجھتے بھی ہیں تو پروا ذرا نہیں کرتے یہ سب مسلمان جانتے ہیں کہ تمام طاعات اور

---

(۱) تمام گناہوں کو (۲) پریشانی (۳) چھوڑدیا (۴) نیکیوں (۵) دوسرے پر جھوٹا الزام لگانا

عبادات کا بجالانا ضروری ہے اور تمام معاصی کا ترک واجب[1] ہے۔

روزہ نہ رکھنے کا اصل سبب کم ہمتی ہے

مگر ان کا اہتمام بالکل نہیں کرتے جب نماز ہی کی ہمت نہیں تو روزہ کی تو کہاں ہمت ہے۔ بعض لوگ گرمی کے روزہ میں پیاس کی شدت کا عذر کیا کرتے ہیں مگر اس رمضان میں لوگوں نے دکھلا دیا کہ یہ عذر محض ایک حیلہ اور بہانہ ہے ورنہ اصلی سبب کم ہمتی ہے کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے کہ بعض لوگ صبح صبح اٹھ کر کھیت پر بیٹھے ہوئے تربوز کھاتے تھے بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ صبح کے وقت کونسی گرمی تھی یہ وقت کونسی پیاس کی شدت کا تھا گرمی اور پیاس تو عصر ہی کے وقت زیادہ معلوم ہوتی ہے تم نے روزہ رکھ کر تو دیکھا ہوتا جب عصر کے وقت پیاس کی شدت معلوم ہوتی اور ضبط نہ ہوسکتا جب ہی روزہ توڑا ہوتا مگر اس حرامزدگی کا کیا علاج کہ صبح ہی سے روزہ نہ رکھنے کا ارادہ کرلیا اور افسوس اسی بات کا ہے کہ پہلے زمانہ میں بھی لوگ گناہ کیا کرتے تھے مگر ان میں شرم اور غیرت کا مادہ بھی تھا سب کے سامنے رمضان میں کچھ نہیں کھاتے تھے۔ چوری چھپے کھالیا کرتے تھے مگر آج کل شرم اور غیرت بھی جاتی رہی سب کے سامنے کھاتے پیتے ہیں اور ذرا لحاظ ان کو نہیں ہوتا کہ آخر رمضان کا مہینہ ہے اس کا بھی کچھ احترام کرنا چاہیے میں صبح کو نماز پڑھ کر جنگل کی سیر کو جایا کرتا تھا اس وقت کھیتوں پر بہت لوگ تربوز کھاتے ہوئے ملتے تھے میں خود ہی غیرت مذہبی یا یوں کہیے کہ طبعی حیاء کی وجہ سے ان کی طرف کو نہ نکلتا تھا چکر کاٹ کر دوسری طرف کو نکل جاتا تھا کہ ان لوگوں کو تو غیرت نہ آئے گی مگر مجھے تو غیرت کرنی چاہیے کہ رمضان میں کسی کو کھاتا ہوا نہ

---

(۱) سب گناہوں کا چھوڑنا

دیکھوں۔

مسلمانوں کو عزت کس صورت میں حاصل ہوگی

یہ آج کل کے مسلمان ہیں پھر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمان ذلیل ہوگئے ترقی نہیں کرتے ذلیل کیوں کر نہ ہوں کام ہی ذلت کے کرتے ہیں۔ عزت اور ذلت خدا کے ہاتھ میں ہے جب تک خدا کو راضی نہ کروگے اس وقت تک تم کو کبھی عزت نہیں مل سکتی۔ مسلمانوں کو جب کبھی عزت ملے گی احکام الٰہی کی پابندی ہی سے ملے گی اس کے بغیر مسلمان مسلمان رہ کر ترقی نہیں کرسکتے ہاں کافر ہوجائیں تو اس کے بغیر بھی عزت ملنا ممکن ہے مگر اس کا انجام جو کچھ ہوگا سب کو معلوم ہے ابد الاباد[1] کے لیے آخرت میں جہنم[2] تیار ہے جب روزہ کے ساتھ مسلمانوں کا یہ برتاؤ ہے جو سال بھر میں ایک مہینہ میں فرض ہوتا ہے تو نماز کا اہتمام تو وہ کیا خاک کریں گے۔

کھانے پینے کی حلاوت روزہ دار کو نصیب ہوتی ہے

اس سال بہت ہی کم لوگوں نے روزہ رکھے ہوں گے اور اگر ذرا ان کے دل سے پوچھیے تو معلوم ہوگا کہ روزہ میں ان کو کھانے پینے کی حلاوت بھی نصیب نہیں ہوئی ہوگی روزہ توڑنے والا جب کھانا کھاتا ہے تو اس کو خود یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پائخانہ کھا رہا[3] ہو ذرا بھی حلاوت نصیب نہیں ہوتی روزہ میں ثواب تو ہے ہی مگر

---

(۱) ہمیشہ کے لیے (۲) دوزخ (۳) یہ بات سلیم الطبع ہی کو محسوس ہوگی آج کل چونکہ احساس ہی ختم ہوگیا اس لیے اگر کسی کو احساس نہ ہو تو قابل اعتراض نہیں جیسے جس پر صفراوت غالب ہو اس کو میٹھے کڑوے کی تمیز نہیں ہوتی

سچ یہ ہے کہ کھانے پینے کی حلاوت[1] بھی روزہ دار ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ روزہ دار کے دل کو افطار کے وقت جو مسرت اور حلاوت نصیب ہوتی ہے روزہ خور[2] کو قیامت تک وہ بات نہیں مل سکتی پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ روزہ میں باوجودیکہ دنیا اور آخرت دونوں کی حلاوت ہے پھر بھی لوگ اس کی پروانہیں کرتے یوں کہیے کہ ثواب کی رغبت اور عذاب کا خوف تو دلوں سے نکل ہی گیا تھا ساتھ میں حس بھی خراب ہوگئی گناہ بے لذت کے کرنے سے زیادہ اور کیا بے حسی ہوگی۔

شریعت میں نماز کا اہتمام روزہ سے زیادہ ہے

روزہ سے زیادہ شریعت میں نماز کا اہتمام ہے یہ روزانہ پانچ مرتبہ فرض ہے اور روزہ تو مرض اور سفر وغیرہ کی وجہ سے قضا کرنا بھی جائز ہے لیکن نماز جب تک ہوش میں رہیں اس وقت تک معاف نہیں اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھنا فرض ہے بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھنا ضروری ہے مگر مسلمانوں کو اس کا بہت ہی کم اہتمام ہے رمضان میں بعض لوگ روزہ تو رکھ بھی لیتے ہیں مگر نماز کا پھر بھی اہتمام نہیں کرتے چنانچہ بعض لوگ صرف عید ہی کے نمازی ہوتے ہیں عید کے دن لوگوں کو کپڑے دکھانے کے واسطے چلے جاتے ہیں حالانکہ اگر غور کیا جائے تو نماز میں ثواب کے علاوہ دنیوی فائدہ بھی ہے نمازی کی طبیعت صاف رہتی ہے اور بے نمازی کی طبیعت میلی میلی رہتی ہے۔ نمازی کی صورت پر نشاط اور رونق ہوتی ہے بے نمازی کے چہرہ پر وحشت برستی ہے اس لیے اگر ثواب کی رغبت زیادہ نہ ہو تو نشاط اور فرحت ہی کے لیے نماز پڑھ لینا

(۱) مٹھاس (۲) روزہ توڑنے والے کو

چاہیئے۔ اس پر شاید کوئی بے نمازی یہ شبہ کرے کہ ہم کو تو اپنے اندر وحشت اور ظلمت نہیں معلوم ہوتی سو اول تو یہ بات غلط ہے جس شخص میں ذرا بھی ایمان ہوگا وہ ضرور نماز چھوڑنے کی ظلمت اور وحشت اپنے اندر پائے گا اور اگر کسی کا دل بہت بے حس ہو گیا ہو اس سے یہ کہا جائے گا کہ تم نماز شروع کر کے پھر اپنے دل کی حالت کا اندازہ کرو یقیناً اس حالت میں اور پہلی حالت میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہوگا جو شخص بچپن سے اندھیرے تہ خانہ میں پرورش پاتا رہا ہو اس کو تاریکی اور روشنی میں کیا فرق معلوم ہو سکتا ہے ہاں ایک مرتبہ اس کو تہہ خانہ سے باہر نکالو اس وقت اس کو روشنی اور اندھیرے کا فرق محسوس ہوگا اس کے بعد وہ تہہ خانہ میں زندگی بسر کرنا کبھی قبول نہ کرے گا۔

عورتوں کو نماز کا بہت کم اہتمام ہے

غرض آج کل نماز کا اہتمام بہت ہی کم کیا جاتا ہے خصوصاً عورتوں کو روزہ رکھنا تو آسان ہے چنانچہ عورتیں مردوں سے زیادہ روزے رکھتی ہیں مگر نماز کے نام سے ان کو جاڑا چڑھتا ہے دن بھر کھانا پکانے سینے پرونے میں گزر جاتا ہے مگر اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ ذرا سی دیر کو اٹھ کر چار رکعت پڑھ لیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کھانا پکانا تو فرض ہے اور نماز فرض نہیں حالانکہ شرعاً عورتوں کے ذمہ کھانا پکانا کوئی ضروری نہیں اگر وہ چاہیں شوہر کو مجبور کر سکتی ہیں کہ کھانے کا انتظام کسی اور سے کرائے اور نماز پڑھنا ہر عورت اور مرد کے ذمہ فرض ہے مگر کھانا پکانے کا بھی ایک بہانہ ہے میں پوچھتا ہوں کہ اگر کھانا پکاتے ہوئے ان کو پیشاب یا پاخانہ کا تقاضا ہونے لگے تو یہ کیا کریں گے کیا اس وقت بھی چولھے ہانڈی کو نہ چھوڑیں گی پھر اس کی کیا وجہ کہ نماز کا بھی دل پر تقاضا ہوتا تو

بدوں نماز پڑھے دل کو چین نہ آتی۔ پھر چولھے ہانڈی کا عذر وہ عورتیں کر سکتی ہیں جو خود کھانا پکاتی ہیں جو کہ نادار اور غریب ہیں مگر وہ تو اکثر نمازی بھی ہیں اور جن کے گھر میں مامائیں کام کرتیں ہیں اور زیادہ تر بے نمازی وہ ہی ہیں پھر ان کا یہ عذر کیونکر قبول ہوسکتا ہے اور جو خود پکاتی ہیں میں نے ان کو بھی جواب دیدیا کہ اگر ان کے دل پر تقاضا ہوتا تو وہ ہرگز یہ بہانہ نہ کر سکتیں رات دن کا مشاہدہ ہے کہ عورتیں ہانڈی چولھے کا کام تمام دن نہیں کرتیں بہت تھوڑا سا وقت اس کام میں صرف ہوتا ہے اور اس میں بھی اگر کوئی محلہ والی ان سے ملنے آجائے تو سارے کام چھوڑ کر اس سے باتیں بنانے بیٹھ جاتی ہیں اب کوئی ان سے پوچھے کہ تم کو ہانڈی چولھے کے کام میں نماز کے لیے تو فرصت ملتی نہیں باتیں بنانے کے لیے کہاں سے فرصت آگئی۔

چھوٹے بچوں کے عذر کے سبب مستورات کو نماز قضا نہ کرنا چاہیے

بعض عورتوں کو بچوں کا عذر ہے کہ بچوں کے گود موت[1] میں ہر وقت کپڑے ناپاک رہتے ہیں پانچوں وقت کپڑے کس طرح پاک کریں میں کہتا ہوں کہ جو عورتیں نماز کی پابند ہیں آخر وہ کس طرح کرتی ہیں کیا ان کے بچے نہیں ایسا کیا تم ہی کو سارے بچے مل گئے ہیں کیا ان کے بچے ہگتے موتتے[2] نہیں ان کے بدن پر ناپاکی نہیں لگتی مگر پھر بھی بعض اللہ کی بندیاں پانچوں وقت پابندی کے ساتھ نماز پڑھتی ہیں کپڑوں کا ایک جوڑہ نماز کے واسطے الگ رکھ دیتی ہیں نماز کے وقت بدن پاک کر کے وہ جوڑا پہن لیا اور نماز پڑھتے ہی اس کو جدا کر دیا اور ناپاک

---

(۱) پیشاب پخانہ (۲) پیشاب پخانہ نہیں کرتے

جوڑہ پہن لیا۔

ایک صاحب عزم خاتون کا قابل رشک اہتمام عبادت

میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ میرے گھر میں اتنا کام کرتی ہیں کہ مجھے ان پر رشک آتا ہے صبح اٹھتے ہی نماز اور قرآن اور مناجات مقبول کی تلاوت کرکے گھر کا کام کرتی ہیں بچے چھوٹے چھوٹے کئی ہیں ان کی خدمت بھی کرتی ہیں اشراق اور چاشت بھی ادا کرتی ہیں گھر کا سارا کام خود کرتی ہیں بچے بھی بہت تنگ کرتے ہیں انہیں بھی بہلاتی ہیں اور پھر بارہ ہزار یا اس سے بھی زیادہ ذکر اسم ذات کرتی ہیں تہجد کی پابند ہیں اور نفلیں بھی بہت پڑھتی ہیں میں حیرت میں ہوں کہ اس قدر کاروبار کے ساتھ وہ اتنا کام کرلیتی ہیں بات یہ ہے کہ جب آدمی ارادہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی اعانت[1] کرتے ہیں اور سب کام آسان کردیتے ہیں جو عورتیں اس قسم کے بہانے بیان کرتی ہیں انہوں نے ارادہ ہی نہیں کیا ورنہ ارادہ کرنے کے بعد وہ خود آنکھوں سے مشاہدہ کرلیتیں کہ حق تعالیٰ کس طرح ان کی امداد کرتے ہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بعض اللہ کی بندیوں نے گھر کے کاروبار کے ساتھ بھی سب کام کرکے دکھلادیا ہے اب کوئی ارادہ ہی نہ کرے تو اس کا کیا علاج نماز کی عادت کرکے دیکھو پھر خود بخود تمہارے سر ہوجائے گی بدوں[2] نماز پڑھے چین ہی نہ آئے گا ہم لوگوں کی نماز گرچہ کچھ نہیں ہوتی مگر بحمداللہ جب ذرا دیر ہوجاتی ہے دل دکھتا ہے جی اندر سے شرمندہ ہوتا ہے اور جب تک نماز نہیں پڑھ لیتے دل ٹکا نہیں ہوتا۔

---

(۱) مدد (۲) بغیر

رغبت اور خوف سے دل میں تقاضا پیدا ہوتا ہے

صاحبو! افسوس ہے کہ تم دنیا کے تو سارے کام کرتے ہو مشکل سے مشکل کام کے لیے تم کو فرصت اور مہلت مل جاتی ہے ان میں کسی قسم کا بہانہ نہیں سوجھتا یہ سارے حیلے دین ہی کے کاموں کے لیے کیوں رہ گئے تم دریا کا سفر کرتے ہو ریل کا سفر کرتے ہو گرمی اور سردی میں سفر کرتے ہو مقدموں کے لیے نہ صبح دیکھو نہ دوپہر نہ گرمی دیکھو نہ سردی ان کاموں میں نہ تم کو زکام کا اندیشہ ہے نہ لو کا مگر نماز کے واسطے سردی میں وضو کرنے سے آپ کو زکام بھی اور سب کچھ ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ دنیا کے کاموں میں اعانت کا وعدہ بھی حق تعالیٰ نے نہیں فرمایا مگر دنیا کے سارے کام تمہارے چلتے رہتے ہیں اور آخرت کے کاموں میں تو اعانت[1] کا بھی وعدہ ہے جب کام شروع کرو گے اس وقت معلوم ہوگا کہ پھولوں کی طرح ہلکا ہے غرض نماز میں یہ کوتاہی اسی لیے ہو رہی ہے کہ اس کا تقاضا دل پر نہیں ہے اور تقاضا اس واسطے نہیں کہ رغبت اور خوف پوری طرح نہیں ہے رغبت اور خوف سے دل میں تقاضا پیدا ہوتا ہے اور تقاضے سے ہر کام آسان ہوجاتا ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لیے دل پر بوجھ ہونے کا سبب

زکوٰۃ میں ہماری یہ حالت ہے کہ روپیہ نکالتے ہوئے جان نکلتی ہے کہ ہائے ہم تو ڈھائی روپے اس میں اور ڈالتے یہ تو اور اسی میں سے نکلنے لگے میں کہتا ہوں کہ اگر روپیہ یوں ہی رکھا رہے اور اس میں سے خرچ نہ کیا جائے فائدہ ہی کیا۔ روپیہ تو خرچ ہی کے واسطے ہے ضرورت میں صرف کرنے ہی سے روپیہ کی راحت معلوم

(۱) مدد

ہوتی ہے تو لامحالہ دنیوی ضرورت میں صرف کرنے ہی سے روپیہ کی راحت معلوم ہوتی ہے لامحالہ دنیوی ضرورت میں تم یقیناً صرف کرو گے پھر اس وقت یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ ہائے ہم تو اس میں اور ڈالتے یہ تو اور اس میں نکلنے لگے معلوم ہوا کہ تم دنیوی ضرورت کو ضرورت سمجھتے ہو اور ان میں خرچ کرنا تم پر گراں نہیں ہے اور زکوٰۃ کو تم ضروری نہیں سمجھتے اس لیے دل پر بوجھ ہوتا ہے تو پھر صاحبو! اس کا علاج کرنا چاہیے آخر اس کی کیا وجہ کہ زکوٰۃ حالانکہ خدا تعالیٰ نے فرض کی اس کو تم ضروری نہیں سمجھتے اور اپنی دنیوی ضرورتوں کو جن کو تم نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے ضروری سمجھتے ہو اور اگر آپ زکوٰۃ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں تو پھر اس گرانی کی کیا وجہ دنیوی کاموں میں تم صدہا روپیہ خرچ کر دیتے ہو بلکہ فضولیات میں بہت سا روپیہ اڑا دیتے ہو اور اس وقت تمہارے دل پر ذرا بھی گرانی نہیں ہوتی۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لیے دل سے گرانی دور کرنے کا طریقہ

غرض جو شخص روپیہ کو بالکل ہی خرچ نہیں کرتا اس سے تو یہ کہا جاوے گا کہ روپیہ صرف جمع کرنے کے واسطے نہیں ہے ایسے روپیہ میں اور ٹھیکروں میں کیا فرق ہے اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اور بڑے بڑے خرچ کرتے ہیں ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ سو روپیہ میں ڈھائی روپے کا خرچ ہی کیا ہے جو اس سے تمہارے دل پر گرانی ہے بس اس کی بھی وہی علت ہے کہ دل میں خوف اور رغبت نہیں ہے ورنہ جس طرح دنیوی راحت کے لیے خوشی سے خرچ کرتے ہیں اسی طرح آخرت کی راحت اور عذاب سے بچنے کے لیے زکوٰۃ بھی نکالتے دنیا کے کاموں میں امید اور اندیشہ ہے اس لیے دل پر خرچ کا تقاضا بھی ہوتا ہے اور آخرت کی رغبت اور خوف نہیں اس لیے زکوٰۃ کا دل پر تقاضا نہیں ہوتا تقاضا ہوتا تو خوشی سے زکوٰۃ نکالا

کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے کہ زکوۃ میں چالیسواں حصہ فرض کیا گیا اس میں بھی لوگوں کی جان نکلتی ہے پہلی امتوں پر علماء نے لکھا کہ چوتھائی حصہ نکالنا فرض تھا اگر تمہارے واسطے بھی ایسا ہی ہوجاتا تو کیا کرتے حق تعالیٰ کا دیا ہوا مال ہے۔ اس میں جو چاہیں حکم فرمادیں ان کو اختیار ہے جب تم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اس وقت تمہارے ہاتھ میں کیا تھا کچھ بھی نہ تھا خالی ہاتھ آئے تھے بعد میں یہ سب مال ودولت حق تعالیٰ نے تم کو دیا ہے تو اس میں اگر کچھ غریبوں کا حق رکھا گیا تو جان کیوں نکلتی ہے بلکہ اس امت پر بہت ہی رحمت ہے کہ چالیسواں حصہ فرض ہے حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں **ویضع عنهم اصرهم** کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اوپر سے وہ بوجھ ہلکا کرتے ہیں جو پہلے ان کے اوپر تھا جس کو میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ پہلے لوگوں پر زکوۃ میں چوتھائی مال کا نکالنا فرض تھا اس کے علاوہ اور بہت سی آسانیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہوگئی ہیں اس نعمت کی ہم کو قدر کرنی چاہیے بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا صدمہ نہ ہوگا کہ میری وجہ سے حق تعالیٰ نے امت پر اس قدر آسانی فرمائی اور پھر بھی میری امت نے احکام میں سستی کی ہم کو چاہیے کہ پہلی امتوں سے زیادہ کام کریں کیونکہ ان پر احکام سخت تھے اور ہمارے لیے بہت سہولتیں کردی گئی ہیں۔

زکوۃ میں در حقیقت ہمارا ہی نفع ہے

اور اگر غور کیا جائے تو زکوۃ میں در حقیقت ہمارا ہی نفع ہے ثواب آخرت

کے علاوہ دنیا کے بھی بہت سے منافع[1] ہیں ایک منفعت تو بہت بڑی یہ ہے کہ زکوۃ کی وجہ سے مال محفوظ رہتا ہے کیونکہ غریب لوگ جو چوریاں کرتے ہیں اس کی زیادہ تر یہی وجہ ہے کہ وہ افلاس سے پریشان ہوتے ہیں اگر مالدار لوگ زکوۃ نکالتے رہیں اور ہر شہر میں اس کی پابندی ہو جائے تو غرباء کو چوری کا خیال بھی پیدا نہ ہو۔ وہ چوریاں اسی لیے کرتے ہیں کہ تم گھر میں مال جمع کرکے رکھتے ہو اور ان کو نہیں پوچھتے اگر تم ان کی خبر گیری بھی کرتے رہو تو تمہارے احسان کا خیال کرکے یا اپنی ضروریات پوری ہوتے دیکھ کر وہ اس قسم کے ارادے کبھی نہ کریں۔

شریعت کی نظر بہت دقیق ہے

لوگ مال کی حفاظت کے لیے بڑے بڑے قفل لگاتے اور چوکی پہرہ مقرر کرتے ہیں مگر شریعت کی نظر بہت دقیق ہے اس نے اس راز کی کیسی رعایت کی ہے کہ مال کی حفاظت اس طرح نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں سے اندیشہ ہے ان کا پیٹ بھر دو پھر چاہے قفل بھی نہ لگاؤ مال محفوظ رہے گا کیونکہ اس طرح سارا شہر بے فکری سے گزرنے لگے گا اور اگر تم زکوۃ میں سو روپے میں سے ڈھائی روپیہ بھی نہ نکالو گے تو کسی وقت تمہاری ساری جمع پونجی نکل جائے گی اس وقت ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے تو در حقیقت زکوۃ نکالنا اپنے مال کو محفوظ کرنا ہے اگر زکوۃ نہ دو گے تو کسی اور بہانہ سے نقصان ہو جائے گا اور یہ حکمت زکوۃ کی میں نے طریق تبرع[2] بیان کردی ہے ورنہ ہم کو حق تعالیٰ کا منقاد[3] ہونا چاہیے اگر کوئی بھی مصلحت اس میں نہ ہوتی تب بھی ہم کو خدا کا حکم سمجھ کر خوشی سے زکوۃ دینی چاہیے چہ جائیکہ اس میں دنیوی اور اور اخروی فوائد بھی ہیں۔

---

(۱) فائدے (۲) احسان کے طور پر (۳) اللہ کے ہر حکم پر گردن جھکا دینی چاہیے

بتلاؤ کہ آخر ہم کس کے ہیں خدا ہی کے تو ہیں تو ہمارا مال بھی اسی کا ہے جس کے ہم ہیں بعض لوگ زیور کی زکوۃ میں یہ عذر کرتے ہیں کہ صاحب اس طرح تو ہر سال زکوۃ نکالتے ہی نکالتے زیور ختم ہوجائیگا سارا سرمایہ برابر ہوجائیگا۔

تجارت نہ کرنا اپنی کوتاہی ہے

میں کہتا ہوں کہ اس کا الزام خود تم پر ہے شریعت مقدسہ پر کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ خود تمہارا فعل ہے کہ تم نے اس روپیہ کو مقید کیا اگر اس میں تجارت کرتے تو سال بھر میں نفع سے ایک زکوۃ کیا کئی زکوۃ نکل آتیں اب تم نے خود ہی اس کو بے کار کرکے عورتوں کے گلے میں ڈال رکھا ہے اس صورت میں اگر زکوۃ دیتے دیتے وہ برابر بھی ہوجائے تو شریعت پر کیا الزام ہے اسی قسم کے احتمالات ہیں جن کی وجہ سے حج بھی نہیں کرتے۔

شرعاً فقط حج ہی فرض ہے

کوئی کہتا ہے کہ صاحب حج تو بہت ہی مہنگا ہوگیا پانچ سو، چھ سو روپیہ ہوں تو حج کیا جائے میں کہتا ہوں کہ آج حج کیا مہنگا ہوگیا پہلے تو سستا بھی بیس پچیس روپیہ جہاز کا کرایہ تھا اس وقت کتنوں نے حج کیا یہ بھی ایک بہانہ ہے اگر حج مہنگا ہوگیا ہے تو جس کے پاس اتنی رقم نہ ہو اس پر حج فرض بھی نہیں مگر جن کے پاس ہزاروں روپے ہیں اور جو شادیوں میں نام و نمود کے لیے سینکڑوں روپے خرچ کرتے ہیں[1] ان کے پاس کیا عذر ہے کچھ بھی نہیں بس خدا کی مار ہے کہ حج نہیں

(۱) جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بچیاں ہیں ان کی شادی کرلیں تو پھر جائیں کہ اس فرض سے فارغ ہوجائیں شریعت میں شادی پر کچھ خرچ نہیں ہوتا خرافات ہمارے گھڑے ہوئے ہیں جس کے پاس رقم سفر خرچ وغیرہ ہو اس کو حج کرنا چاہیے یہ کوئی عذر نہیں ہے۔ تخلیل

کرتے اور اس میں یہ سارے حیلے بہانے ان کو سوجھتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ حج تو اب بھی بہت مہنگا نہیں پہلے تین سو روپیہ میں حج اور مدینہ دونوں ہوجاتے تھے اب ڈھائی تین سو میں صرف حج ہوجاتا ہے اور شرعاً فقط حج ہی فرض ہے مدینہ جانا مستحب ہے اور سنت ہے تو اگر کسی کو ایسا ہی پانچ سو روپے خرچ کرنا گراں ہوتا ہے وہ حج ہی کر کے واپس چلا آوے البتہ جس کے پاس رقم کافی ہو اور محض بخل کی وجہ سے مدینہ نہ جائے اس سے حضور ﷺ کو شکایت ضروری ہوگی تاہم پھر بھی مدینہ کا جانا فرض نہیں ہے کسی کو حضور ﷺ کی شکایت کا خیال ہو وہ مدینہ بھی ہو آئے اور اگر اس کی پروا نہ ہو تو حج نہ کرنے کے لیے مہنگے سستے ہونے کا بہانہ کیوں کرتا ہے حج میں تو اب بھی کچھ زیادہ رقم صرف نہیں ہوتی پھر بعضے تو حج کو چنداں ضروری ہی نہیں سمجھتے اور بعض ضروری تو سمجھتے ہیں مگر کھیتی اور تجارت وغیرہ کے عذر پیش کرتے ہیں سو جو لوگ ضروری ہی نہیں سمجھتے ان سے اس وقت میرا خطاب نہیں، کیونکہ وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ میں اس وقت مسلمانوں کو خطاب کر رہا ہوں، مسلمان کوئی ایسا نہیں ہوسکتا جو خدا کے فرض کیے ہوئے کام کو ضروری نہ سمجھے۔ رہا کھیتی وغیرہ کا عذر اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آج ان کی آنکھ بند ہوجائے اور یہ میاں ٹیں ہوجائیں تو اس وقت ان کی کھیتی وغیرہ کا کیا انتظام ہوگا۔ میں بد فالی نہیں کرتا مگر معاملہ کی بات ہے میں پوچھتا ہوں کہ تمہارے پاس وحی آگئی ہے یا کسی اور ذریعہ سے یقین ہوگیا ہے کہ تم ہمیشہ زندہ ہی رہو گے ظاہر ہے کہ زندگی کا بھروسہ ایک دن بھی نہیں بہت سے لوگ کھاتے پیتے چل دیے ہیں تو بس دل کو یہی سمجھا لو کہ اگر آج ہماری زندگی ختم ہوجائے تو اس وقت بھی تجارت اور کھیتی کا انتظام ہم سے آخر چھوٹے ہی گا تو چند مہینے کے واسطے آج ہی اس کو کیوں نہ چھوڑ دیں جو انتظام مرتے وقت کرتے ہو وہ آج ہی کیوں نہ کر لو اور

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر ارادہ کیا جائے تو ہر چیز کا انتظام خاطر خواہ ہو سکتا ہے کیا کھیتی والوں اور تجارت والوں کو سفر پیش نہیں آتے اور اس وقت وہ اپنے کاروبار کا انتظام نہیں کرتے یا کبھی چار پانچ مہینوں کے لیے وہ بیمار نہیں ہوتے کیا اس وقت ان کا کام بند ہو جاتا ہے مگر کچھ عادت یہ ہے کہ مجبوری کے وقت انسان سب کچھ انتظام کر لیتا ہے اور چلتے ہاتھ پیروں یہی چاہتا ہے کہ میں ایک دن کے واسطے بھی اپنے کام سے علیحدہ نہ ہوں پھر سوا اسکے کہ یوں کہا جائے کہ دنیا کی محبت نے دل میں گھر کر لیا ہے اور اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔

جان و مال دونوں اللہ کی امانت ہیں

ہر شخص جانتا ہے کہ جان خدا کی امانت ہے وہ جب چاہیں اس کو لے سکتے ہیں اور عزیز و اقارب کے مرنے کے بعد سب لوگوں کی زبان پر یہ بات آتی ہے کہ بھائی خدا کی امانت تھی اس نے لے لی تو جب جان خدا کی امانت ہے تو مال کو اس سے زیادہ خدا کی امانت سمجھنا چاہیئے جہاں خدا کا حکم ہو امانت سمجھ کر خرچ کرنا چاہیئے پھر حج میں جو کچھ صرف ہوتا ہے وہ تو اپنے ہی کام میں صرف ہوتا ہے ثواب الگ ملتا ہے سیر و تفریح الگ ہوتی ہے بعض لوگ شملہ اور منصوری کی سیر میں سینکڑوں روپے صرف کر دیتے ہیں جس میں نہ ثواب ہے نہ کچھ بلکہ بعض دفعہ اسراف کا گناہ سر پر پڑ جاتا ہے تو ایک دفعہ یہی سمجھ لو کہ حج میں بھی تفریح کے لیے روپیہ خرچ ہو گیا دریا کی سیر سے زیادہ اور کیا تفریح ہو گی مکہ اور مدینہ کی زیارت منت ہو جائے گی غرض خدا توفیق دے تو دل کے سمجھانے کے واسطے سو طریقے ہیں اور اگر خود ہی ارادہ نہ ہو تو ہزار بہانے نکال سکتے ہیں اور سب کی علت وہی ہے کہ رغبت اور خوف دل میں نہیں ہے اسی وجہ سے عملی حالت تباہ ہو رہی ہے یہ تو طاعات میں ہماری کوتاہیاں ہیں۔

گناہوں کی فہرست

اب گناہوں کی فہرست لے لیجیے تو ان میں بھی ہماری حالت بد تر سے بد تر ہو رہی ہے چنانچہ غیبت میں قریب قریب سب ہی مبتلا ہیں حتیٰ کہ علماء اور مشائخ تک اس بلا میں گرفتار ہیں بلکہ علماء کی غیبت عوام کی غیبت سے بھی اشد[1] ہے کیونکہ عوام تو معمولی آدمیوں کی غیبت کرتے ہیں اور علماء، علماء اور مشائخ کی غیبت کرتے ہیں کیونکہ ان کا واسطہ انہی سے پڑتا ہے وہ عوام کی غیبت کیوں کرنے لگے اور ظاہر ہے کہ علماء اور مشائخ کی غیبت کا گناہ بھی بہت زیادہ ہے کیونکہ غیبت میں آبرو ریزی[2] کی وجہ سے گناہ ہوتا ہے کہ اس سے ایک مسلمان کی آبرو[3] کم ہوتی ہے تو جس کی آبرو جس قدر عظیم الشان ہوگی اسی قدر اس کی غیبت میں گناہ بھی زیادہ ہوگا۔

علماء و مشائخ کی آبروریزی کا گناہ

علماء و مشائخ کی عزت و آبرو عام لوگوں سے علاوہ عرف کے شرعاً بھی بڑھی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا ولم یجبل عالمینا فلیس منا جو کوئی ہمارے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کا لحاظ اور ہمارے علماء کی تعظیم نہ کرے وہ ہمارے میں سے نہیں یہ تو علماء کی شان میں ہے بزرگوں اور مشائخ کی بابت ایک حدیث قدسی میں ہے من آذی لی ولیا فقد آذنته بالحرب جو کوئی میرے ولی کو تکلیف پہنچائے میں ان کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ علماء اور مشائخ کی غیبت میں اور ان کی آبرو ریزی کرنے میں کیا کچھ گناہ ہوگا اس لیے میں کہتا ہوں کہ علماء و مشائخ کی

(۱) سخت (۲) دوسرے کی بے عزتی (۳) عزت

غیبت عوام کی غیبت سے زیادہ سخت ہے مگر اس کی کسی کو بھی کچھ پرواہ نہیں اکثر گناہ کرکے جی بھی برا ہوا کرتا ہے مگر غیبت ایسی عام ہو گئی ہے کہ اس کے بعد جی[1] بھی برا نہیں ہوتا یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کچھ ہم نے گناہ کا کام بھی کیا ہے یا نہیں اس حالت پر نظر کرکے یوں معلوم ہوتا ہے کہ غیبت بہت ہی بڑا گناہ ہے کیونکہ گناہ کو ہلکا سمجھنا قریب بکفر[2] ہے اور غیبت کو عام طور پر اعتقاداً نہ ہو تو عملاً تو ضرور ہلکا سمجھا جاتا ہے اس سے بچنے کا بہت ہی اہتمام چاہیے۔

غیبت کا منشاء کبر ہے

اور اس غیبت کا منشا کبر ہے کیونکہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھے گا جبھی اس کی برائی کرے گا چنانچہ جن کو اپنے سے افضل سمجھا جاتا ہے ان کے واقعی عیوب میں بھی تاویل کرلی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہر شخص کو اپنے سے اچھا سمجھا جائے تو اس کی غیبت اور برائی پر جرات نہ ہو اس کے ہر عیب میں کوئی نہ کوئی تاویل ضرور کرلی جاتی مگر آج کل کبر کا مرض عام ہے ہر شخص اپنے کو دوسروں سے افضل سمجھتا ہے اسی لیے غیبت کی بھی کثرت ہے اور چونکہ کبر میں نفس کو حظ[3] ہوتا ہے اس لیے غیبت کرکے جی برا بھی نہیں ہوتا جب فخر کے ساتھ گناہ ہوگا تو جی کہاں برا ہوگا اور ظاہر ہے کہ گناہ پر فخر کرنا سخت گناہ ہے اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ حدیث میں غیبت کو زنا سے بدتر کہا گیا ہے کیونکہ زنا کا خاصہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں ندامت اور شرمندگی پیدا ہوتی ہے اسی لیے کھلم کھلا اس کا ارتکاب نہیں کیا جاتا چھپ چھپا کر پردہ میں کیا جاتا ہے۔ کہ کہیں کسی کو خبر نہ ہوجائے بلکہ زنا کرکے انسان خود اس عورت کی نظروں میں

---

(۱) دل (۲) کفر کو قریب ہے (۳) نفس کو مزہ آتا ہے

بھی اپنے کو ذلیل سمجھتا ہے جس سے یہ حرکت کرتا ہے تو اس پر فخر نہیں کر سکتا۔

غیبت میں حق العبد بھی ہے

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ زنا میں صرف خدا کا گناہ ہے جس کو اگر وہ چاہیں معاف کر سکتے ہیں اور غیبت میں خدا کا بھی گناہ ہے اور بندے کا حق بھی ہے اس کو حق تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں فرمائیں گے جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کردے جس کی غیبت کی گئی ہے اور بندہ محتاج ہے نہ معلوم قیامت میں وہ اس شخص کی نیکیاں ملتی ہوئی دیکھ کر معاف کرے یا نہیں اگر اس کی ساری ہی نیکیاں مل گئی تو یہ میاں بالکل خالی ہاتھ ہی رہ جائیں گے اس کے بغیر غیبت نہیں چھوٹ سکتی تکبر کے ہوتے ہوئے اگر غیبت چھوٹے گی بھی تو دو چار دن سے زیادہ نہیں چھوٹے گی پھر چونکہ مادہ کبر کا اندر موجود ہے وہ پھر اس کو اسی میں مبتلا کردے گا افسوس یہ ہے کہ آج کل ہم لوگوں نے دین فقط تسبیحوں اور نفلوں کو سمجھ لیا ہے دل کی اصلاح کو ضروری ہی نہیں سمجھتے اور میں سچ کہتا ہوں کہ دل کی اصلاح کے بغیر ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہوسکتے اور دل کی اصلاح کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اندر خدا کی محبت اور خوف اور فکر آخرت پیدا کیا جائے جب دل پر محبت اور خوف اور فکر سوار ہوجائے گا تو بہت جلد اس کی اصلاح کی امید ہے۔ امراض قلب کی زیادہ تر وجہ بے فکری ہے جب دل فکر سے خالی ہوتا ہے تو اس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں مگر فکر سے مراد فکر آخرت ہے ورنہ دنیا کی فکر تو اس کے لیے سم قاتل ہے۔

نظر بد داعی الی الزنا ہے[1]

اسی طرح آج کل بری نظر کا بہت مرض ہے یہ گناہ کمبخت ایسا ہے کہ اس سے جی ہی نہیں بھرتا ہر گناہ کر کے انسان کا دل اس سے فارغ ہو جاتا ہے بلکہ اکثر گناہ کے بعد آدمی اپنے اوپر تفرتیں کرتا رہتا ہے لیکن بری نظر کا ایسا مرض ہے کہ اس کا بار بار تقاضا ہوتا ہے سیری[2] ہوتی ہی نہیں ایک کانٹا سا کھٹکتا رہتا ہے لوگ اس کو ہلکا سمجھتے ہیں مگر در حقیقت یہ بہت سنگین جرم ہے اس کی ایک خرابی تو آپ نے بھی سن لی کہ اس سے سیری نہیں ہوتی۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ زنا کا مقدمہ ہے اگر کوئی شخص ساری عمر کسی نامحرم کو نہ دیکھے تو پھر ہم دیکھیں کہ وہ کس طرح زنا کرے گا زنا کی خواہش بھی نظر ہی سے پیدا ہوتی ہے اسی لیے حدیث میں ہے **العینان تزنیان وزناھما النظر** (آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر بد ہے) تو نظر بد کو زنا اس لیے کہا گیا کہ وہ **داعی الی الزنا**[3] ہے اہل فراست کو بری نظر کرنے والے کی آنکھوں میں ایک کھلی ہوئی ظلمت محسوس ہوتی ہے بلکہ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس کو ہر شخص امتیاز کرسکتا ہے آپ دو شخصوں کو لیجیے جن میں ایک متقی پرہیز گار ہو جو بری نظر سے احتیاط رکھتا ہو اور دوسرا وہ شخص ہو جو نامحرموں کو گھورا کرتا ہو دونوں کی آنکھوں میں آپ کو کھلا ہوا فرق محسوس ہوگا۔ متقین کی آنکھوں میں ایک خاص رونق ہوتی ہے جو فاسق کی آنکھ میں نہیں ہوسکتی حق تعالیٰ نے نظر بد سے بچنے کی بہت تاکید فرمائی ہے ارشاد ہے **قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم و قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن**[4] (آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں

---

(1) بد نظری زنا تک پہنچانے والی ہے (2) دل ہی نہیں بھرتا (3) زنا کی دعوت دینے والی (4) سورۃ نور آیت ٣٠

کی حفاظت کریں اور مسلمان عورتوں سے کہدیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں) کیا عجیب تعلیم ہے کہ زنا سے بچنے کی تعلیم فرمانا مقصود تھا تو اس کی جڑ کاٹنے کا پہلے حکم دیدیا یعنی پہلے نگاہ نیچے رکھنے کا حکم فرمایا جس میں بتلادیا کہ زنا اس کی وجہ سے ہوتا ہے پہلے اس کا اہتمام کرو کہ آنکھیں نیچی رہیں جب آنکھیں نیچی رکھو گے تو کسی نا محرم پر نظر ہی نہ پڑے گی۔ نہ اس کے اختلاط کا خیال آئے گا پھر بلاغت یہ ہے کہ بجائے **لاینظر والی المحرمات** (محرم[1] عورتوں کی طرف نہ دیکھیں) کے **یغضوا من ابصارھم**[2] فرمایا اگرچہ مقصود یہی ہے کہ نامحرموں کو مت دیکھو مگر آنکھیں اٹھا کر چلنے میں اس کی احتیاط دشوار تھی خواہ مخواہ جب آنکھیں اٹھی ہوئی ہوں گی کسی نہ کسی پر نظر پڑ ہی جاوے گی۔

نظر بد سے بچنے کا طریقہ

اس لیے ساتھ ساتھ نظر بد سے بچنے کا طریقہ بھی بتلادیا کہ آنکھیں نیچی رکھا کرو پھر کسی پر نظر پڑے ہی گی نہیں اس میں آج کل بہت بے احتیاطی کی جاتی ہے۔ بعض گھروں میں دیور اور جیٹھ سے اور ان کے جوان لڑکوں سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ بعض عورتیں خالہ زاد اور ماموں زاد اور چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائیوں سے پردہ نہیں کرتیں۔ اس میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے اور اگر کوئی اندیشہ نہ بھی ہو تو یہ کیا کم فتنہ ہے کہ ہر روز نامحرموں کے سامنے آنے کا گناہ ان کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

---

(۱) جو عورتیں حرام کی گئی ہیں یعنی نامحرم عورتیں (۲) یعنی نظریں نیچے رکھیں

حکماء امت

فقہاء نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ جوان بھتیجی کا حقیقی چچا سے بھی پردہ کرانے کو لکھا ہے کہ وہ اگر خود بری نظر سے نہ دیکھے گا تو ممکن ہے کہ اسی نظر سے دیکھے کہ یہ میرے لڑکے کے قابل ہے یا نہیں اور اس نظر سے دیکھنے میں شہوت کی آمیزش کا ضرور اندیشہ ہے اللہ اکبر یہ ہیں حکماء امت واقعی فقہاء نے زمانہ کی حالت کو خوب سمجھا ہے اور شیطان کے دھوکوں پر ان کی بہت نظر تھی۔ فقہاء نے جب ایسے ایسے انتظامات کیے ہیں تب ہی تو اس وقت آپ کو کچھ دین کی صورت نظر آرہی ہے بعض گھروں میں اگر نامحرم عزیزوں سے پردہ کا اہتمام ہے تو ایک اور بے احتیاطی ہے۔

باہر پھرنے والی عورتوں سے پردہ

باہر پھرنے والی عورتوں سے پردہ کا اہتمام نہیں ہے حالانکہ فقہاء نے صاف لکھا ہے کہ کافر عورت سے مسلمان عورت کو ویسا ہی پردہ کرنا چاہیئے جیسا کہ اجنبی مرد سے کیا جاتا ہے اور شاہ عبد القادر صاحب نے فاجرہ عورتوں سے پردہ کرنا "اونسائھن"[۱] کی تفسیر میں لکھا ہے اسی سے باہر پھرنے والی لاابالی عورتوں سے بھی پردہ کی تاکید مستنبط[۲] ہوتی ہے کیونکہ یہ باہر پھرنے والیاں اکثر کٹنیاں ہوتی ہیں جو بد معاش مردوں سے گھر والی عورتوں کے حالات جا کر بیان کرتی ہیں پھر اس سے بڑے بڑے فتنے پیش آتے ہیں اور لاابالی اس لیے کہا کہ باہر پھرنے والیوں سے میرا مراد سب نہیں ہیں کیونکہ بعض عورتیں بیچاری غریب ہیں ان کو کام کاج کے لیے نکلنا ضروری ہے اور اگر سر سے پیر تک بدن ڈھانک کر

(۱) اور ان کی عورتیں (۲) نکلتی

گھونگھٹ نکال کر باہر نکلیں تو اس میں وہ معذور ہیں ان پر کوئی الزام نہیں البتہ اتنی قید ضروری ہے کہ وہ اچھا لباس پہن کر باہر نہ نکلیں میلے کچیلے کپڑے پہن کر نکلیں اور ضرورت سے زیادہ باہر نہ رہیں تو ایسی عورتوں سے گھر والیوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں باہر پھرنے والیوں سے میری مراد وہ عورتیں ہیں جو کھلے مہار پھرتی ہیں جو حیا اور شرم کی چادر اتار کر باہر نکلتی ہیں ان سے احتیاط کرنی چاہیئے باقی جو عورتیں ضرورت اور مجبوری سے باہر نکلتی ہیں ان کو پردہ میں بٹھانا مشکل ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر ان کو پردہ میں بٹھلانا مشکل ہے تو مردوں کو تو اپنی آنکھوں کو پردہ میں بٹھلا دینا آسان ہے وہ اگر ضرورت سے باہر پھرتی ہیں تو تم کو دیکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ تم مت دیکھو۔

بد نظری کا مرض عام

مگر یہ مرض آج کل ایسا پھیلا ہوا ہے کہ شاید ہی اس سے کوئی بچا ہو کیونکہ اس گناہ میں ایک سہولت یہ ہے کہ دوسروں کو اس کی خبر نہیں ہوتی کسی ضرورت سے آنکھ اٹھائی اسی میں کسی کو گھور لیا دوسرے تو سمجھتے ہیں کہ اپنی چیز دیکھنے کو نگاہ اٹھائی تھی مگر اس نے نہ معلوم اندر ہی اندر کس کس کی چیزیں دیکھ لیں اسی لیے قرآن میں اس کو خائنة الاعین (آنکھوں کی چوری (جانتا ہے) سے تعبیر کیا ہے ان سب غوائل[1] سے حفاظت کا اچھا طریقہ وہ ہے جو قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ نگاہ نیچی رکھو۔

شیطان کا قابو صرف دو طرف نہیں

ایک بزرگ کا قول ہے کہ شیطان نے حق تعالیٰ کے سامنے انسانوں کو

(۱) بری باتوں

بہکانے کے لیے اپنی آمدورفت کرنے کی چار جہتیں بیان کی ہیں لاتینهم من بین ایدیهم و من خلفهم و عن ایمانهم و عن شمائلهم۔ کہ میں آدمیوں کے پاس بہکانے کے واسطے چار طرف جاؤں گا سامنے سے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے دو جہتیں اس نے بیان نہیں کیں ایک اوپر کی جانب ایک نیچے کی جانب۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دو طرفوں سے شیطان کو قابو انسان پر نہیں چل سکتا تو نگاہ یا تو بالکل آسمان کی طرف رکھے یا زمین کی طرف۔ اس صورت میں شیطان سے بچ سکتا ہے مگر آسمان کی طرف آنکھیں لگائے رکھنا عادۃً موجب کلفت[1] ہے اس لیے یہی صورت متعین ہے کہ نگاہ ہر وقت نیچی رکھے اگرچہ یہ بات ایک نکتہ کے طور پر ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ نگاہ نیچی رکھنے سے نظر بد کا گناہ صادر نہیں ہوسکتا کیونکہ خود بخود کوئی کسی کی آنکھوں میں تھوڑا ہی گھستا ہے اور باقی تمام جہات[2] میں نظر بد کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔

بدگمانی بڑا جھوٹ ہے

ایک عام گناہ میں بکثرت ابتلاء یہ ہے کہ بے تحقیق کوئی بات سن کر کسی کی طرف منسوب کردی یا بدگمانی پکالی۔ تحقیق کا مادہ ہی آج کل نہ رہا۔ بس کسی سے کچھ سن لیا اور اٹکل پچو[3] گھوڑے دوڑا لیے۔ قرآن و حدیث میں اس کی سخت ممانعت ہے اور بہشت کی تاکید کے ساتھ تحقیق کا حکم ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولاتقف مالیس لک به علم۔ یعنی جس بات کی پوری تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔ ایک آیت میں ارشاد ہے یاایها الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا۔ یعنی اگر کوئی فاسق فاجر کوئی خبر لاوے تو اس کی

---

(۱) پریشانی کا باعث (۲) سب جانب (۳) بغیر سوچے سمجھے

تحقیق کرلیا کرو حدیث میں ہے ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بھی بڑا جھوٹ ہے مگر آج کل بدگمانی کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا پھر بدگمانی بھی کسی بڑی وجہ سے نہیں کی جاتی ذرا سا اشارہ سن لیا اور طومار باندھ دیا یاد رکھو یہ بہت سخت گناہ ہے ان باتوں سے احتیاط کرو ورنہ سارا تقویٰ وطہارت دھرا رہ جائے گا۔

بات کی تحقیق کی ضرورت

افسوس یہ ہے کہ اس مرض میں علماء اور مشائخ تک بھی مبتلا ہیں جہاں ان کے مقربین میں سے کسی نے کسی کی نسبت کوئی بات کہہ دی اس پر ایمان لے آئے ذرا تحقیق نہیں کرتے کہ اس کی اصل بھی کچھ ہے یا نہیں۔ آج کل مشائخ کو اپنے خاص معتقدین اور مقربین پر بہت ہی اعتماد ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جس کو چاہتے ہیں مشائخ کی نظر سے گرا دیتے ہیں گویا کسی کو مقبول و مردود کردینا بالکل ان کے اختیار میں ہوتا ہے۔

روایات مقربین میں ضرورت تفتیش

حالانکہ اگر محدثین اور فقہاء کے اصول پر جانچا جائے تو میں سچ کہتا ہوں کہ خود مشائخ میں بھی ایسے کم نکلیں گے جن کو محدثین ثقہ کہہ سکیں ان کے مقربین اور معتقدین تو کس شمار[1] میں ہیں۔ جن محدثین نے بڑے بڑے زاہد اور عابد لوگوں کو یہ کہہ دیا کہ حدیث بیان کرنے میں ضعیف ہیں اگرچہ زاہد اور عابد بہت بڑے ہیں وہ آج کل کے زاہدوں کو کب ثقہ مان سکتے ہیں علماء اور مشائخ کو چاہیئے کہ

(۱) گنتی

روایات میں بالکل محدثین کے قواعد برتا کریں جو شخص پوری بات بیان نہ کرتا ہو یا ہر بات کو سند[1] سے بیان نہ کرسکتا ہو اس کی بات کا کبھی اعتبار نہ کریں جب کوئی شخص کسی کی نسبت کوئی بات کہے اس سے فوراً پوچھیں کہ تم نے خود اس کا مشاہدہ کیا یا کسی سے سنا اگر وہ اپنا مشاہدہ بیان کرے تو اس پر اس سے گواہوں کا مطالبہ کیا جائے اگر گواہ نہ لاسکے تو اس کو دھمکا دیں یا اور کوئی سزا دیں اور یہ کہہ دیں کہ آئندہ کوئی بات بدوں[2] ثبوت شرعی کے ہمارے سامنے بیان نہ کرو اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے کسی سے سنا ہے تو اس کا نام دریافت کیا جائے کہ کس سے سنا ہے کب سنا ہے کس طرح سنا ہے اس کے کیا الفاظ تھے پوری بات بیان کرو اپنی طرف سے کم زیادہ نہ کرو۔ اس کے بعد اس دوسرے شخص کے حال کی تفتیش کرو کہ وہ نیک ہے یا فاسق اور اس نے بھی خود مشاہدہ کیا ہے یا کسی سے سنا ہے اس طرح اگر مقربین کی روایات میں تفتیش کی جایا کرے تو اس وقت معلوم ہو کہ یہ مقربین ہیں یا مکربین ہیں یعنی کسی کی تاک میں لگے رہنے والے۔ غرض بے تحقیق بات پر کبھی کان لگانا نہ چاہیے نہ بلاوجہ کسی سے بدگمان ہونا چاہیے اسی طرح آجکل جھوٹ کی بھی بہت کثرت ہے اور طلبہ اور ذاکرین میں عمداً جھوٹ بولنے کا تو مرض نہیں مگر قیاس دوڑانے کا بہت مرض ہے کہ میں نے تو یہ سمجھا تھا اس لیے کسی کی بات پر بلا تفتیش کے اعتماد نہ چاہیے ایک مرض آج کل مال کی محبت کا ہے کہ ہر وقت اسی کی فکر ہوتی ہے کہ کچھ اور روپیہ جمع ہو جائے زمینداروں کو زمین بڑھانے کی فکر رہتی ہے پھر اس میں حلال و حرام کی ذرا تمیز نہیں کی جاتی بس ہر وقت دھن رہتی ہے کہ کسی طرح ہو روپیہ اور زمین بڑھنی چاہیے جو زبردست

(۱) یعنی اس نے کس سے سنی اور اس نے کس سے سنی جہاں سے بات چلی ہے وہاں تک سب بیان کرنے والوں کو ذکر کرے اس کو سند کہتے ہیں (۲) بغیر ثبوت شرعی

ہیں وہ غریبوں کی جائدادیں اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں بھلا اس ظلم کی بھی کوئی انتہا ہے۔

بہنوں کا حق میراث نہ دینا ظلم ہے

بہنوں کا حق لیا جاتا ہے اور بہانے یہ کرتے ہیں کہ ان کی شادی وغیرہ میں باپ نے اتنا خرچ کیا ہے ہمارے واسطے اتنا خرچ نہیں کیا اس لیے ان کا اب کیا حق رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کی زندگی میں سارا مال اس کا تھا وہ جہاں چاہے اس کو خرچ کرے اس سے میراث میں کسی کا حق کیوں کر کم ہو جائے گا۔ پھر شادیوں میں جو کچھ کیا جاتا ہے وہ بیٹی کے واسطے نہیں کیا جاتا محض اپنے نام کے واسطے کیا جاتا ہے بھلا دس پانچ ہزار آدمیوں کو کھانا کھلا دینے سے لڑکی کا کیا نفع ہو گیا اس لیے باپ نے اپنی بیٹی کے واسطے کچھ نہیں کیا وہ سب اپنے واسطے خرچ کیا ہے پھر اس کی وجہ سے بہن کا حق کیوں کم کیا جاتا ہے۔ بعضے یہ کہتے ہیں کہ بہن نے ہم کو خوشی سے اپنا حق معاف کر دیا ہے یہ بھی بالکل غلط ہے خوشی سے کوئی معاف نہیں کرتی وہ سمجھتی ہے کہ مجھے کچھ ملے گا تھوڑا ہی لاؤ ان کی خاطر سے یہی کہہ دوں کہ میں نے معاف کیا۔ خوشی سے دینے کی صرف ایک صورت ہے اس کا امتحان کر لیا جائے وہ یہ کہ بہن کا شرعی حصہ فرائض کے موافق علیحدہ کر کے اس پر اس کا نام چڑھا دو اور داخل خارج سب کچھ کر دو جو آمدنی اس کی آوے ساری اس کے حوالہ کرو اور صاف کہہ دو کہ یہ تمہاری ملک ہے اس میں تم کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے سال دو سال اس کو اس طرح آمدنی دیتے رہو اور اگر وہ پہلے پہل رسم و رواج کی وجہ سے انکار کرے تو مجبور کر کے دو اور صاف کہہ دو کہ اس وقت ہم تم سے نہیں لیں گے دو تین سال کے بعد دو گی تو لے لیں گے پھر دو تین سال تک

جب وہ اپنی آمدنی کو لیتی رہے اور صرف کرتی رہے اور اس مزہ کو دیکھ لے پھر بھی اگر کوئی بخشدے اس وقت البتہ یہ دینا خوشی کا دینا ہے۔

باپ کے مرتے ہی لڑکیوں کا ترکہ لینے سے انکار کرنا شرعاً معتبر نہیں

باقی باپ کے مرتے ہی جو لڑکیاں آمدنی اور زمین لینے سے انکار کردیتی ہیں وہ انکار معتبر نہیں اول تو اس وقت صدمہ تازہ ہوتا ہے صدمہ میں اس کو اپنے نفع و نقصان کا خیال نہیں ہوتا۔ دوسرے جب رواج یہی پڑا ہوا ہے کہ بہنوں کو میراث سے محروم سمجھا جاتا ہے تو وہ اپنا حق لیتے ہوئے بدنامی سے بھی ڈرتی ہیں۔ تیسرے ان کو اپنے حق کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ کتنا ہے اور کس قدر ہے جب صدمہ کا وقت گذر جائے اور تم ان سے کہہ دو کہ تمہارا حق شرعی ہے تم کو لینا پڑے گا پھر وہ اپنی آمدنی کی مقدار بھی دیکھ لیں اس کا لطف بھی اٹھالیں اس کے بعد اگر کوئی دے تو مضائقہ نہیں مگر ہم دکھاویں گے کہ اس کے بعد سو میں سے ایک یا دو ہی ایسی نکلیں گی کہ پھر بھی اپنا حق معاف کردیں پس جس طرح سے آج کل بہنیں اپنا حق بھائیوں کو معاف کرتی ہیں وہ شرعاً معتبر نہیں اس میں رضا اور طیب خاطر[1] نہیں ہوتی اور حدیث میں صاف موجود ہے **الا لایحل مال امر مسلم الا بطیب نفس منه** کہ خبردار کسی مومن کا مال بدوں طیب خاطر کے لینا حلال نہیں ہے تو یہ ساری خرابی کس چیز کی ہے محض محبت مال کی یہ محبت آج کل دلوں میں پیوست ہوگئی ہے اور بالخصوص عورتوں میں یہ مرض بہت ہے۔

---

(۱) خوش دلی

عورت کی زیورات سے محبت کا حال

عورتوں کو زیور کی ایسی محبت ہے کہ گویا اس کی بھوک اور پیاس ہے بلکہ بھوک اور پیاس سے بھی زیادہ کیونکہ اکثر عورتوں کو کھانے پینے کا اتنا شوق نہیں ہوتا اگر کسی دن خاوند گھر پر نہ ہو تو چولہا سرد پڑا رہتا ہے۔ چٹنی اچار ہی سے باسی کو سی کھا کر بیٹھ رہتی ہیں مگر زیور کا اتنا چاؤ ہے کہ اس میں شوہر کی حیثیت بھی نہیں دیکھتی۔ عورتوں کے زیوروں میں اکثر لوگ سودی قرض لے لیتے ہیں بعضے رشوت کا روپیہ کماتے ہیں غرض مردوں کو حرام اور حلال کی بھی پروا نہیں رہتی پھر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ سودی قرض اگر بڑھ گیا تو سارا زیور بھی اسی میں جاتا ہے اور گھر بار تک نیلام ہو جاتا ہے اور آخرت کا وبال جدا رہا مگر عورتوں کو اس کی بھی کچھ پروا نہیں کہ اس زیور کمبخت کی خاطر شوہر جہنم کی آگ میں جلے گا اسی طرح کپڑوں کی عورتوں کو ایسی دھت ہوتی ہے کہ جوڑے پر جوڑے بناتی چلی جاتی ہیں۔ بعضوں کے پاس اتنے کپڑے ہوتے ہیں کہ سب کے پہننے کی بھی ان کو نوبت نہیں آتی بس اپنے نامزد کر کے ڈال دیتی ہیں پھر جب مرتی ہیں تو وہ کورے کے کورے اور نئے کے نئے اللہ واسطے دیے جاتے ہیں بھلا اتنے کپڑے بنانے سے کیا نفع جن کے پہننے کی بھی نوبت نہ آئے اگر یہ کہا جائے کہ اس واسطے بہت جوڑے بناتی ہیں تا کہ ہمارے بعد اللہ واسطے دیے جائیں تو یہ بالکل غلط ہے بناتے وقت اس خیال کو بھی منحوس سمجھا جاتا ہے جب یہ نیت بناتے وقت نہیں ہوتی تو تم کو ثواب کیا خاک ملے گا اور دوسروں کے دینے کا ثواب اگرچہ مردوں کو پہنچتا ہے مگر وہ بھی جبھی پہنچتا ہے جبکہ دینے والے خلوص سے دیدیں مگر آج کل اکثر اس واسطے دیا جاتا ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ سارے مال کو دبا کر بیٹھ گئے خدا واسطے بھی نہ دیا تو اس میں خلوص کہاں۔

عورتوں میں حفاظت زیور سے بے احتیاطی

پھر طرہ یہ ہے کہ عورتوں کو زیور وغیرہ کا جتنا شوق ہے اسی قدر اس کے ساتھ بے احتیاطی بھی کی جاتی ہے زیور اتار کر کبھی تکیہ کے نیچے رکھ دیتی ہیں کبھی طاق میں ڈال دیتی ہیں کبھی دری کے نیچے چھپا دیتی ہیں گویا اپنے نزدیک بڑی احتیاط کی پھر جب وہ چوری ہوجاتا ہے تو دنیا بھر کے نام لگاتی پھرتی ہیں جس سے تین گناہ ان کے ذمہ ہوتے ہیں ایک مال کی محبت کا دوسرے خدا کی نعمت کی بے قدری کا تیسرے بلاوجہ بدگمانی کا۔ خدا کی نعمتوں کی بے قدری بہت بڑا وبال ہے جس سے نعمت بہت جلدی زائل ہوجاتی ہے شریعت نے جہاں مال کی محبت سے منع کیا ہے وہاں نعمتوں کی قدر کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔

زمین کے روپیہ میں برکت نہ ہوگی

حدیث میں اگرچہ زمینداری سے ممانعت بھی آئی ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر زمین کسی کے پاس ہو اور کسی ضرورت سے اس کو بیچے تو فوراً اس کے روپیہ سے کوئی دوسری زمین خرید لے ورنہ برکت نہ ہوگی۔ میں ان دونوں حدیثوں سے یہ سمجھتا ہوں کہ جس کے پاس زمین نہ ہو وہ تو زمین نہ خریدے اور جس کے پاس پہلے سے ہو یا میراث میں مل جائے وہ اس کو فروخت نہ کرے اور اگر فروخت کرے تو فوراً زمین ہی میں وہ روپیہ لگادے واقعی اسکا تجربہ ہوا ہے زمین فروخت کرکے روپیہ ادھر ادھر اٹھ جاتا ہے اور یہی معنی اس کے کہ اس میں برکت نہیں ہوتی تو دیکھیے حضور ﷺ نے نعمت کی احتیاط اور قدر کی کہاں تک تعلیم دی ہے مگر عورتوں میں جہاں کپڑے اور زیور کی دھت زیادہ ہے وہاں بے احتیاطی اور بے قدری بھی بہت ہے کپڑے کا وہ شوق ہے جس کی کوئی حد نہیں جہاں پھیری

والا آیا فوراً کپڑا خرید لیتی ہیں ضرورت ہو یا نہ کیا مجال ہے کہ پھیری والا خالی پھر جائے۔ ایک عورت نے خود کہا کہ ہم تو دوزخی ہیں دوزخ جس طرح اس کا پیٹ نہیں بھرتا اخیر تک هل من مزيد (وہ کہے گی) کچھ اور بھی ہے پکارتی رہے گی یہی حال ہمارا ہے بس ہمارا پیٹ تو خدا ہی بھرے گا مگر یہ بھی غنیمت ہے کہ اس اللہ کی بندی نے اپنے عیب کو عیب تو سمجھ لیا اور اس کے عیب ہونے کا اقرار بھی کرلیا ورنہ اکثر عورتوں میں تو یہ مرض ہے کہ اپنے عیب کو عیب بھی نہیں سمجھتیں اور سمجھانے والے کو نام دھرتی (۱) ہیں غرض ان میں یہ بھی بہت بڑا مرض ہے کہ خدا کی نعمت کی قدر نہیں کرتیں گھر میں چاہے کتنا ہی سامان ہو مگر جب کوئی پوچھے گا یہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا دھرا ہے مولانا عبدالرب صاحب دہلویؒ بڑے ظریف تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں کی عادت ہے کہ ان کے پاس کتنے جوڑے ہیں یہی کہیں گی کہ ہائے میرے پاس کیا ہے یہی دو لیتھڑے (۲) اور کپڑوں کا چاہے صندوق بھرا ہوا ہو مگر جب پوچھا جائے یہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہے بس دو چیتھڑے (۳) اور برتن خواہ کتنے ہی موجود ہوں مگر یہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہے دو ٹھیکرے (۴) تو بس ان کے پاس ہمیشہ لیتھڑے اور چیتھڑے اور ٹھیکرے ہی رہتے ہیں کبھی خدا کی بندیاں یہ نہ کہیں گی کہ اللہ کا فضل ہے اس کا دیا ہوا ہمارے پاس سب کچھ ہے بس ان کا تو وہ حال ہے۔

گفت چشم تنگ دنیادار را
یا قناعت پر کند یا خاک گور

(اس نے کہا چشم تنگ دنیادار کو یا تو قناعت بھرتی ہے یا خاک گور پر کرتی ہے)

---

(۱) سمجھانے والے کو برا سمجھتی ہیں (۲) پھٹے پرانے جوتے (۳) پھٹے پرانے کپڑے (۴) مٹی کے دو برتن

عورتوں کا حرص

ہم نے ایک عورت کو خود دیکھا کہ اس کے پاس رضائی موجود تھی مگر نئی چھینٹ مل گئی تو ایک اور رضائی بنالی جب پوچھا گیا کہ تم کو رضائی کی ضرورت کیا تھی تو یہ جواب دیا کہ خوبصورت چھینٹ تھی میں نے کہا کہ ایک اور بنالوں پڑی رہے گی پھر کام آئے گی۔ عورتوں کو ساری عمر کا انتظام آج ہی سوجھتا ہے حالانکہ مسلمان کی تو یہ شان ہونی چاہیے کہ صبح کو اٹھے تو شام کی فکر نہ ہو اور شام آوے تو صبح کی فکر نہ ہو کیا خبر ہے کہ صبح سے شام بھی ہوگی یا نہیں ممکن ہے کہ ہماری زندگی ختم ہی ہوگئی ہو عورتوں کو زیور یا کپڑے بناتے ہوئے موت کا دھیان بھی نہیں آتا کہ آخر ہم کو کسی دن دنیا سے جانا ہے اس وقت ان چیزوں کی محبت وبال جان ہوگی ان بلاؤں اور جھگڑوں کی محبت دل سے نکال دینی چاہیے پھر عورتوں کو زیور اگرچہ بہت ہی محبوب ہے مگر جب ہی تک کہ یہ اس کو پہن کر دورہ نہ کریں اور جہاں انہوں نے ایک دورہ کیا اور اپنے زیور سے کسی دوسری عورت کا زیور وضع یا بناوٹ میں اچھا دیکھا تو پھر ان کا اپنا زیور بالکل جی'' سے اتر جاتا ہے اور اس کو توڑ پھوڑ کر دوسروں کے ہر زیور کی نقل اتروائی ہیں حیرت ہے کہ عورتوں کے زیور توڑتے ہوئے کچھ بھی دکھ نہیں ہوتا وہ پہلی گھڑوائی برباد ہوجاتی ہے پھر ہر سنار سونے چاندی میں کچھ نہ کچھ کھوٹ ضرور ملاتا ہے۔ اس بار بار کے توڑنے پھوڑنے میں گھڑوائی بھی بہت جاتی ہے جو بالکل بے قیمت ہے زیور کو اگر بیچنے کھڑے ہو تو گھڑوائی کے دام کبھی نہ ملیں گے پھر سنار کے ہر مرتبہ کھوٹ ملانے سے خود سونے چاندی کی بہت کم قیمت رہ جاتی ہے مگر عورتوں کو اس کی کیا پروا ان کو تو اپنے چاؤ سے کام ہے۔

---

(۱) دل سے

گھر کا بگاڑنا اور سنورنا عورتوں کے ہاتھ میں ہے

مثل مشہور ہے کہ عورت اگر چاہے تو سوئی کی نوک سے گھر کو ڈھادے یہ بالکل سچ ہے گھر کا بگڑنا اور سنورنا عورتوں کے ہاتھوں میں ہے مگر یاد رکھو کہ روپیہ کو اس طرح ضائع اور برباد کرنا خدا کو پسند نہیں اسراف اور فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن میں شیطان کا بھائی کہا گیا ہے کیونکہ شیطان نے خدا کی نعمتوں کی نا شکری کی ہے اور فضول خرچی کرنے والے بھی نعمتوں کی بے قدری کرتے ہیں پھر اگر کسی کو ایسی ہی ہمت ہو اور اس کو زیور کا اور روپیہ کا درد نہ آتا ہو تو کم از کم اتنا تو خیال کرنا چاہیے کہ قرض کر کے ادھار کر کے تو اپنے چاؤ نہ پورے کرو کیونکہ قرض سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ تمام راحت کو مٹی کر دیتی ہے۔ راحت اور چین ہمیشہ بے فکری سے نصیب ہوتی ہے اور قرض والے کو بے فکری کہاں اس کے دل پر تو قرض کا غم پہاڑ کی طرح کھڑا ہوتا ہے بعض دفعہ قرض کی فکر میں نیند نہیں آتی پھر ایک ذرا چاؤ[1] کے لیے اتنا بڑا غم اپنے سر پر سوار کرنا کونسی عقلمندی ہے۔

سالکین کو قرض سے بچنے کی ضرورت

میں سچ کہتا ہوں کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا قرض نہ ہو وہ چاہے کیسا ہی تنگی سے گزر کرتا ہو اس کے دل سے پوچھو کہ کتنی راحت میں ہے اور جو لوگ قرض کر کے گدی اور تکیوں پر سوتے ہیں ان کے دل سے پوچھو کہ ان پر کس قدر بوجھ ہے ہمارے حضرت مولانا گنگوہیؒ نے تحدث بنعمة الله[2] اپنی وصیت میں لکھا ہے کہ بندے کے ذمہ کسی کا قرض نہیں ہوا کرتا بالخصوص سالکین کو تو قرض سے بہت بچنا چاہیے کیونکہ اس طریق میں جمعیت اور سکون قلب کی بہت

---

(۱) دل کی چاہت (۲) اللہ کی نعمت کے بیان کے طور پر لکھا ہے

ضرورت ہے اور قرض کرنے سے جمعیت بالکل برباد ہوجاتی ہے اور اس قرض سے بچنے کی تدبیر سادہ زندگی اور رسوم کا پابند نہ ہونا ہے۔ جو بزرگوں کا شیوہ رہا ہے۔

حکایت مولانا حکیم معین الدین صاحب

چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ مولانا حکیم معین الدین صاحب کے یہاں مہمان ہوئے اتفاق سے اس دن حکیم صاحب کے یہاں فاقہ تھا۔ حکیم صاحب تھے بہت بے تکلف اگر کوئی دوسرا ہوتا تو ایسے وقت میں لاکھ جتن کرتا کہیں سے ادھار قرض کرکے لاتا اور مہمان کی دعوت ضرور کرتا مگر حکیم صاحب نے بے تکلف مولانا سے آکر کہہ دیا کہ آپ آج میرے مہمان ہیں اور میرے گھر آج فاقہ ہے اگر کہیے تو خدام بعضے درخواست دعوت کی کر رہے ہیں قبول کرلوں۔ مولانا نے فرمایا کہ نہ بھائی میں تو تمہارا مہمان ہوں اگر تمہارے گھر فاقہ ہے تو میں بھی فاقہ ہی کروں گا۔ سبحان اللہ کیسے بے تکلف اور سادہ لوگ تھے۔ حضرت مولانا کی تو بڑی شان ہے فاقہ سے وہ تو کیا گھبراتے اللہ کے بندے بعضے ایسے بھی ہیں کہ ظاہر میں دنیا دار معلوم ہوتے ہیں اور فاقہ سے نہیں گھبراتے اور گھبرانا تو کیا الٹا اس سے خوش ہوتے ہیں الہ آباد میں ایک وکیل تھے مولوی محمد صاحب مولوی ان کے نام کا جزو تھا اگر ان کو کوئی مولوی کے لقب سے ذکر کرتا تو لفظ مولوی اس کو مکرر کہنا پڑتا تھا وہ خود وکیل بھی تھے اور گھر ہی کی زمینداری بھی تھی مگر خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی ان کے یہاں فاقہ کی نوبت بھی آتی تھی اور وہ اللہ کے بندے بڑی خوشی سے فاقہ کرتے تھے ادھار کرنے کی عادت نہ تھی اور حیرت یہ ہے کہ ان کے بچے بھی فاقہ کے دن خوشیاں کرتے پھرتے تھے۔ انہوں نے فاقہ کا نام شیخ جی رکھا تھا جب کبھی ان کے یہاں فاقہ ہوتا تھا بچوں سے کہہ دیتے تھے کہ آج

شیخ جی آئے ہیں آج روٹی نہ ملے گی۔ بچوں کا بہلانا ہی کیا وہ اسی میں بہل جاتے تھے۔ ایک صاحب میرے دوست بیان کرتے تھے کہ وہ ان وکیل صاحب کے یہاں مہمان ہوئے وہ کہتے تھے کہ ایک دن ان کے بچے اچھلتے کودتے پھرتے تھے اور یہ کہتے تھے آباجی آج ہمارے ہاں شیخ جی آئے۔ کہنے لگے کہ میں یہ سمجھا کہ کوئی ان کے عزیز ہوں گے وہ آئے ہوں گے مگر شام تک نہ تو وہ شیخ جی نظر آئے نہ میرے لیے کھانا ہی گھر سے آیا۔ میں بڑا متحیر ہوا کہ وہ کیسے شیخ جی ہیں جو گھر میں گھسے بیٹھے ہیں اور ایسا ان کے واسطے کیا سامان ہوا ہوگا کہ شام تک بھی کھانا تیار نہیں ہوا۔ آخر ایک نوکر سے انہوں نے پوچھا کہ بھائی وہ کونسے شیخ جی ہیں جن کے آنے سے کھانے میں اس قدر دیر ہوئی اس نوکر سے معلوم ہوا کہ شیخ سے مراد فاقہ ہے جب وکیل صاحب کے یہاں فاقہ ہوتا ہے تو وہ بچوں سے یہی کہہ دیتے ہیں کہ آج شیخ جی آئے ہیں روٹی نہ ملے گی۔ بچے اس میں بہل جاتے ہیں اور روٹی نہیں مانگتے۔

حق تعالیٰ شانہ کی نعمت سے کوئی مستغنی نہیں

تو صاحبو! جب دنیاداروں نے یہ کرکے دکھلادیا ہے تو دینداروں کو کیا مشکل ہے مگر آج کل یہ مرض ہے کہ جہاں کوئی مہمان آتا ہے اس کے لیے خوامخواہ تکلیف کرتے ہیں اور مہمان کے سامنے اپنے یہاں کے کھانے کی تحقیر کرتے ہیں کہ یہ کیا ہے یہ آپ کو کیا پسند آیا ہوگا اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جب مشائخ کو کچھ ہدیہ دیتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کو تو اس کی کیا پروا تھی حقیر چیز ہے مگر میرا جی بہلا ہوجائے گا اس کو قبول کرلیجیے میرے تو اس لفظ سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں بھلا خدا کی نعمت سے بے پروا کون ہوسکتا ہے مگر

افسوس ہے کہ لوگوں کو اس کا مطلق[1] خیال نہیں ہوتا حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کھانا نوش فرما کر جو الفاظ فرماتے تھے ان میں یہ بھی ہے **غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا** کہ اے پروردگار میں اس کھانے کو رخصت نہیں کرتا اور نہ اس سے مستغنی ہوں دوسرے وقت پھر اس کا محتاج ہوں گا اس وقت بھوک بھر گئی ہے اس لیے اس کو اٹھواتا ہوں کچھ ٹھکانا ہے اس عبدیت کا کہ کھانا اٹھوانے میں چونکہ بظاہر استغنا کی صورت ہوتی ہے تو آپ ﷺ استغنا کی صورت سے بھی اتنا بچتے تھے۔

محسن الیہ کا ادب

اسی طرح آج کل یہ بھی مرض ہے کہ مہمان کے سامنے ایک سالن ہو تو اس کو حقیر سمجھتے ہیں اور خفیہ خفیہ[2] محلہ میں سے دوسرا سالن منگاتے ہیں پھر ستم یہ کہ جس کے یہاں سے کھانا منگاتے ہیں اس کا نام بھی ظاہر نہیں کرتے حالانکہ احسان کا بدلہ ہے کہ محسن کے احسان کو ظاہر کیا جائے محسن[3] کا تو ادب یہ ہے کہ وہ اپنے احسان کو چھپائے اور محسن الیہ[4] کا ادب یہ ہے کہ محسن کے نام کو ظاہر کردے مگر لوگ یہ کرتے ہیں کہ محلہ میں سے کھانا منگاتے ہیں اور نام اپنا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہمارے گھر میں ایک ہی سالن تھا اور اکثر ایک ہی سالن ہوتا بھی ہے۔ وقت پر مہمان آگئے اس وقت بھائی کے یہاں سے دوسرا سالن منگالیا گیا حالانکہ میں نے منع کردیا تھا کہ دو سالن ہونا کیا ضروری ہے جب گھر میں ایک سالن ہے ایک ہی بھیج دو مگر نہ مانا جس وقت مہمانوں نے کھانا شروع کیا میں نے خود ہی بھانڈا پھوڑ دیا کہ آج گھر میں ایک سالن تھا یہ دال بھائی کے گھر سے منگائی ہے۔

---

(۱) بالکل (۲) چپکے چپکے (۳) احسان کرنے والا (۴) جس پر احسان کیا جائے

فضول خرچی بخل سے زیادہ بری ہے

صاحبو! ان تکلفات کو حذف کردینا چاہیئے اگر ہم نے یہ فضول خرچ کم نہ کیے تو ایک دن گھر کا سامان بازاروں میں بکتا نظر آئے گا۔ میرے نزدیک آج کل مسلمانوں کے لیے بخیل اور ممسک[1] ہونا مسرف[2] اور فضول خرچ ہونے سے ضرر[3] میں کم ہے اگرچہ شرعاً دونوں صفتیں بری ہیں بخل بھی اور اسراف بھی مگر یہ پھر ان دونوں میں آج کل کی حالت و واقعات پر نظر کرکے اسراف کی صفت بخل سے زیادہ مضر[4] ہے اگرچہ عرفاً[5] بخیل[6] کو زیادہ برا سمجھا جاتا ہے مگر دلائل اور مشاہدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انجام کے اعتبار سے اسراف بخل سے زیادہ برا ہے ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ انہوں نے اسراف اور فضول خرچی میں اپنا سارا گھر بار کھو کر تنگدستی اور افلاس سے پریشان ہو کر دین تک بدل دیا اور عیسائی ہوگئے مگر کسی بخیل کی نسبت یہ نہیں سنا کہ اس نے بخل کے ساتھ روپیہ جمع کرکے پھر اپنے دین کو بدل دیا ہو بخیل کے پاس چونکہ دولت جمع رہتی ہے اس کا دل غنی ہوتا ہے پھر وہ افلاس سے کیوں پریشان ہوگا اور اس کو دین بدلنے کی نوبت کیوں آوے گی۔ لوگ اگرچہ بخیل آدمی کو زیادہ برا بھلا کہتے ہیں مگر کوئی اس کے دل سے پوچھے کہ وہ کس قدر مسرور رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ سو روپیہ کا نشہ ایک بوتل کے برابر ہوتا ہے۔ اس لیے بخیل کے اپنے پاس روپیہ جمع ہونے کی وہ خوشی ہوتی ہے کہ اس کے سامنے کسی کی برائی کی اس کو مطلق پروا نہیں ہوتی اس لیے اس کو ارتداد[7] کی نوبت بھی نہیں آتی۔

---

(۱) مال کو روک خرچ کرنے والا ہونا (۲) اسراف کرنے والا (۳) نقصان (۴) فضول خرچی کنجوسی سے زیادہ نقصان دہ ہے (۵) عام طور پر (۶) کنجوس (۷) مرتد ہونے کی

بخل مذموم بھی ہے

باقی چونکہ اس میں اور مفاسد ہیں اس لیے مذموم اور معصیت[1] یہ بھی ہے بہر حال گناہ دونوں صورتوں میں ہوگا لیکن ایک گناہ (یعنی اسراف) کفر تک پہنچادینے والا ہے اور دوسرا گناہ (یعنی بخل) کفر سے بچانے والا ہے تو ان دونوں گناہوں میں سے وہ گناہ ہلکا ہے جس سے ایمان محفوظ رہے اور کفر تک نوبت نہ پہنچے۔

تنگ دستی میں نیت ڈانواڈول رہتی ہے

نیز اسراف کے ساتھ فقروفاقہ لگا ہوا ہے اور کادالفقر ان یکون کفرا معلوم ہے یعنی فقر کا انجام قریب ہے کہ کفر تک پہنچ جائے حدیث میں ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں درہم ودینار مسلمان کے لیے سب چیزوں سے بہتر ہوگا۔ میرے خیال میں یہ وہی زمانہ ہے اس وقت مسلمانوں کو روپیہ بہت احتیاط سے خرچ کرنا چاہیے۔ تنگدستی اور فقر میں انسان کی نیت اکثر ڈانواڈول ہوجاتی ہے اور دوسروں کے حقوق مارنے کی ہروقت فکر رہتی ہے۔

ایک شخص پر کسی بنیے کا قرض تھا اور قرض بھی سودی تھا۔ اس نے یہ تدبیر کی کہ کسی طرح بنیے سے فارغطی لکھوانی[2] چاہیے تو آپ نے یہ سامان کیا کہ اپنے گھر پر ڈھول باجہ منگوایا اور دوست احباب کو بلایا اس کے بعد بنیے کو بھی بلایا اور اس سے کہا کہ لالہ جی ہمارے یہاں بارات آئی ہوئی ہے اس میں نوتہ آویگا بھی لیتے آؤ تاکہ سب روپیہ بیباق کر کے فارغطی لکھوالوں۔ لالہ جی بھی کھاتہ لیکر حاضر ہوگئے اس نے ڈھول تاسہ والوں کو تو حکم دیا کہ باجہ زور زور سے بجاؤ اور اس لالہ کو مکان میں بند

(۱) ناپسندیدہ اور گناہ (۲) قرض سے بری ہونے کا پروانہ لکھوالیا جائے

کر کے ڈرایا کہ فارغخطی لکھو ورنہ خیر نہیں مجبور ہو کر اس نے لکھدی اور اپنا سامنہ لے کر گھر آگیا۔ اس کے بعد یہ قصہ ہوا کہ لالہ جی کی دکان کے سامنے ڈھول باجہ بجتا ہوا گزرا۔ اس کے لڑکے نے کہا کہ لالہ جی بارات آرہی ہے تو وہ کہتا ہے مکا مکا (میں نے کہا) بارات نہیں بچار کھتی لکھواتے ہوں گے (یعنی فارغخطی لکھواتے ہوں گے سانپ کا کاٹا رسی سے بھی ڈرتا ہے وہ غریب اب ہر بارات کو یہی سمجھنے لگا کہ فارغخطی لکھواتے ہوں گے) تو غربت میں ایسی ایسی حرکتیں بھی انسان کر بیٹھتا ہے کسی کا حق دبالیتا ہے کسی کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ آج کل مسلمانوں کے ہاتھ خرچ کے لیے بہت ہی کھلے ہوئے ہیں احتیاط سے خرچ کرنے کا ان میں مادہ ہی نہیں۔

مسلمان بچوں کا اسراف

ایک مرتبہ میں گنگوہ سے سہارن پور جارہا تھا راستہ میں انبیٹھہ پڑتا ہے وہاں جب اسکول کے سامنے سے گاڑی گزری تو میں نے دیکھا کہ دو لڑکے اسکول میں سے کچھ کھانے پینے کے لیے باہر آئے ایک مسلمان کا تھا دوسرے بنیے کا اور دونوں کو گھر سے پیسے ملے تھے کہ ان کا کچھ لیکر کھالینا۔ اب ان دونوں لڑکوں میں گفتگو ہوئی کہ ان پیسوں کا کیا لینا چاہیئے مسلمان لڑکے نے کہا کہ ہم تو پیڑا خریدیں گے بنیے کے لڑکے نے کہا کہ میں تو سنگھاڑے خریدوں گا کچھ پیٹ میں بوجھ بھی ہو۔

اولاد کو چٹور پن سکھلانا مذموم ہے

دیکھ لیجیے مسلمانوں اور بنیوں کے اولاد میں بچپن ہی سے یہ تفاوت ہوتا ہے کہ بنیوں کے بچوں کو بھی کفایت پر نظر ہوتی ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے جس

طرح اپنے بڑوں کو دیکھتے ہیں اسی طرح سبق سیکھتے ہیں۔ مسلمانوں کی چونکہ کفایت پر نظر نہیں ہوتی۔ ان کے بچے بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تم بالکل بنیوں کی طرح ہو جاؤ مگر خدا کے واسطے اپنی اولاد کو چٹور پن تو نہ سکھلاؤ جس کی وجہ سے وہ ساری عمر پریشان ہوتے ہیں۔ غرض میں گناہوں کی فہرست کہاں تک گناؤں عموماً ہم لوگوں میں گناہوں سے بچنے کا بالکل اہتمام نہیں بہت کم ایسے لوگ ہیں جن کو یہ فکر ہوتی ہو کہ گناہ سے ہم کو بچنا چاہیئے اور جن کو فکر بھی ہے وہ ہمت سے کام نہیں لیتے بس ان کی بڑھی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ کسی بزرگ کے پاس جائیں گے اور ان سے یہ درخواست کریں گے کہ حضرت کوئی توجہ ایسی کیجیے کہ گناہ چھوٹ جائیں۔

گناہوں سے بچنے کے اہتمام کی ضرورت

سبحان اللہ! بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ جو حضرات گناہوں سے بچے ہیں کیا ان پر کوئی توجہ ہوئی تھی۔ انہوں نے تو مجاہدے کیے تھے ہمت سے کام لیا تھا جب گناہوں سے بچے ہیں۔

اصل مجاہدہ ہمت کا نام ہے

مجاہدے سے میری یہ مراد نہیں کھانا پینا کم کردیا تھا آج کل لوگوں نے صرف اسی کا نام مجاہدہ رکھ لیا ہے کہ کھانا پینا کم کر دیا جائے چنانچہ مشائخ کی فضیلت میں سب سے پہلے اسی کا ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت نے سات برس تک گیہوں کی روٹی نہیں کھائی۔ فلاں بزرگ نے اتنے سال تک پانی نہیں پیا۔ سو خوب سمجھ لو کہ مجاہدہ صرف اسی کا نام نہیں اور نہ اس کی چنداں ضرورت ہے بلکہ آج

کل تو چونکہ قوتیں خود کم ہیں۔ مجاہدہ مضر بھی ہوتا ہے۔ آج کل خوب کھانا پینا چاہئیے ورنہ چار دن میں دماغ کو لیکر بیٹھ رہو گے پھر کسی کام کے بھی نہ رہو گے اس کے علاوہ ایک اور راز بھی ہے جو لوگ کھانا پینا کم کر دیتے ہیں اور بڑے بڑے مجاہدے کرتے ہیں ان میں عجب پیدا ہو جاتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت محنت کرتے ہیں اس لیے ہم ثمرات کے ضرور مستحق ہیں پھر اگر ان کو کچھ ثمرات عطا ہوتے ہیں تو ان کو اپنی محنت اور مجاہدے کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ خالص عطاء حق نہیں سمجھتے اور اس طریق میں عجب[1] بہت ہی سدراہ[2] ہوتا ہے خدا کے راستے میں جو کچھ عطا ہو اس کو اپنے اعمال کا ثمرہ نہ سمجھنا چاہئیے بلکہ محض خدا تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر شکر کرنا چاہئیے اور جو لوگ خوب کھاتے پیتے ہیں اور کام بھی کرتے ہیں جب ان کو ثمرات عطا ہوتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے کام ہی کیا کیا تھا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ یہ دولت عطا فرما دی۔ ان کو عجب نہیں ہوتا اس لیے بھی آج کل زیادہ مجاہدے جن کو عام طور پر مجاہدہ سمجھا جاتا ہے مناسب نہیں اور پہلے لوگوں کے قویٰ بھی اچھے تھے فہم بھی اچھے تھے ان کو ان مجاہدوں سے یہ مضار[3] نہ ہوتے تھے۔ اصل مجاہدہ تو یہ ہے کہ نفس کی مخالفت کی جائے نفس کے تقاضوں پر عمل نہ کیا جائے مثلاً نفس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ادھر ادھر کی باتیں بنائی جائیں کسی کی غیبت شکایت کی جائے تو مجاہدہ یہ ہے کہ اس تقاضے کی مخالفت کرو اور صبح سے شام تک زبان کو قفل لگا دو کوئی بات خلاف شرع نہ کہو۔ اسی طرح نفس تقاضا کرتا ہے کہ حسین صورتوں کو دیکھو اس وقت مجاہدہ یہ ہے کہ اس تقاضے کے مقتضا پر عمل نہ کرو اور آنکھیں بند کر لو۔ غرض کہ اصل مجاہدہ ہمت کا نام ہے کہ ہمت کے ساتھ نفس کی ناجائز خواہشوں کا مقابلہ کیا جائے اس میں پہلے پہل دشواری پیش آتی

(۱) خود پسندی (۲) راستہ کی رکاوٹ (۳) نقصانات

ہے مگر وہ ایسا کونسا کام ہے جو پہلے ہی دن آسان ہوجائے دنیا کا بھی ہر کام پہلے پہل مشکل ہی معلوم ہوتا ہے مگر اپنے فائدے کے لیے اس کو کرتے ہی ہیں کرتے کرتے ہر کام آسان ہوجاتا ہے۔

حقیقی مجاہدہ

اسی طرح یہاں بھی ہمت کرکے بار بار نفس کے تقاضوں کی مخالفت کرو چند روز کے بعد پھر مخالفت کی عادت ہوجائے گی اور عادت سے ہر کام سہل ہوجاتا ہے بس اسی کا نام حقیقی مجاہدہ ہے اس سے اتباع کامل اور استقامت نصیب ہوجاتی ہے اور یہی بڑی کرامت ہے اس کے سامنے ہزار کرامتیں ہیچ ہیں۔

حضرت جنیدؒ کی معنوی کرامات

ایک شخص حضرت جنیدؒ کے پاس دس سال رہا مگر اس عرصہ میں کوئی حسی کرامت اس کو نظر نہ آئی دس سال کے بعد اس نے عرض کیا کہ حضرت میں دس سال سے آپؒ کے پاس ہوں مجھے کوئی کرامت آپ کی معلوم نہیں ہوئی جس طرح اور لوگ ہیں ایسے ہی آپ بھی معلوم ہوتے ہیں کوئی خاص بات آپ کے اندر مجھے معلوم نہیں حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تم نے اس دس سال کے عرصہ میں جنید سے کوئی کام خلاف شرع صادر ہوتے دیکھا ہے اس نے کہا حضرت کوئی بات خلاف شرع تو نہیں دیکھی فرمایا اس سے زیادہ جنید کی کرامت اور کیا چاہتے ہو کہ دس برس میں اس سے ایک کام بھی خلاف شرع نہیں ہوا۔ اپنے کمالات بیان کرنے کی بزرگوں کی عادت نہیں ہوتی بلکہ اس سے ان کو نفرت ہوتی ہے مگر طالبین کے سامنے کبھی کوئی بات کہہ دیتے ہیں تاکہ وہ ان کے فیوض و برکات سے نفع حاصل

کریں پس مقصود اپنی بڑائی نہیں ہوتی بلکہ طالب کا نفع مقصود ہوتا ہے وہ سائل بھی طالب ہوگا اس لیے حضرت جنید نے اس کے سامنے معنوی کرامت کو بیان فرمادیا اور ساتھ ہی اس کو یہ بھی بتلا دیا کہ حسی کرامتوں سے معنوی کرامتیں بڑھی ہوئی ہیں۔

کرامت کی حقیقت

ان پر نظر کرنی چاہیئے تھی تم دس سال تک ظاہری کرامتوں کے پیچھے پڑے رہے اور یہ تمہاری غلطی تھی اگر تم کرامت کی حقیقت سے واقف ہوتے تو قدم قدم پر تم کو کرامتیں معلوم ہوتیں یہ غور کرتے کہ میں ہر کام کو کس طرح شریعت کے موافق کرتا ہوں اور قدم قدم پر کس طرح رضا حق کا خیال رکھتا ہوں یہ تھی بڑی کرامت اسی لیے صوفیہ فرماتے ہیں **الاستقامته فوق الکرامته** کہ احوال کا مستقیم ہوجانا کرامت حسی سے بڑھ کر ہے اور استقامت حاصل ہوتی ہے نفس کی مخالفت سے جب بار بار نفس کو اتباع شریعت پر مجبور کیا جائے گا تو استقامت محقق ہوجائے گی۔

زاہدان خشک کا مجاہدہ

مگر آج کل اس مجاہدہ کو بہت کم لوگ اختیار کرتے ہیں۔ صرف کھانا پینا کم کردیتے ہیں اور اس کا ایک راز ہے وہ یہ کہ کھانا پینا کم کردینا سب کو معلوم ہوجاتا ہے تو اس مجاہدہ سے شہرت جلدی ہوجاتی ہے اور نفس کو شہرت مطلوب ہے اور مخالفت نفس کا کسی کو علم نہیں ہوتا کسی کو کیا خبر ہے کہ اس وقت ان حضرت کے نفس میں کیا تقاضا پیدا ہورہا ہے اور یہ کس طرح اس کو دبا رہے ہیں غرض کہ

ترک معاصی[1] کی کوئی صورت محسوسہ نہیں ہے جس سے دوسروں کو اس مجاہدہ کی خبر ہوجایا کرے اس لیے اس مجاہدہ یعنی مخالفت نفس کی کسی کو خبر نہیں ہوتی تو اس میں شہرت بھی حاصل نہیں ہوتی اس لیے اس طریقہ کو بہت کم اختیار کیا جاتا ہے مگر جو طالب صادق ہوگا وہ شہرت سے ضرور نفرت کرے گا طالب شہرت ہر گز طالب خدا نہیں ہوسکتا اس لیے جو واقعی طالب صادق ہیں وہ اسی مجاہدہ کو اختیار کرتے ہیں اور کھانا پینا اہتمام سے کم کرتے ہیں دوسرے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں کرتے بڑے آرام سے رہتے ہیں مگر ان کے دل پر جو آرے چلتے ہیں ان کی کسی کو کیا خبر ہے بس کھانا پینا کم کرنا یہ زاہدان خشک کا مجاہدہ ہے عارف اس پر نظر نہیں کرتا۔

عارفین کا مجاہدہ

عارف کا مجاہدہ مخالفت نفس ہے تو صاحبو! بزرگان دین تو اس مصیبت سے نفس کو سیدھا کرتے ہیں اس کے بعد کہیں جا کر وہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں توجہ سے بھی کہیں گناہ چھوٹا کرتے ہیں اگر آج بزرگوں کی توجہ سے گناہ چھوٹنے کی درخواست ہے تو بس کل کو چکی لے آنا کہ حضرت ایک توجہ سے چکی بھی چلا دیجیے کہ خود بخود آٹا پس جائے بھلا اس حماقت کی بھی کوئی انتہا ہے جو کام تمہارے کرنے کا ہے اس کو خود کرو پھر برکت کے لیے بزرگوں سے یہ دعا کراؤ۔ یوں کہنا چاہیے کہ حضرت میں نے معاصی کو چھوڑنے کی ہمت کی ہے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ چاہے کچھ ہی ہوجائے خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کروں گا آپ بھی دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ میری ہمت میں برکت عطا فرمادیں۔ اس کا مضائقہ نہیں

(۱) گناہوں کو چھوڑنے

مقبولان الٰہی کی دعا سے ہمت میں برکت ضرور پیدا ہوجاتی ہے اور اگر تم خود ارادہ نہ کرو نہ ہمت سے کام لو تو بزرگوں کی دعا سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت ڈنڈا لیے کوئی موکل تمہارے اوپر مسلط ہوجائے کہ تم جب گناہ کا قصد[1] کرو وہ ڈنڈوں سے تمہاری خبر لیا کرے اب میں توجہ کی حقیقت آپ کو بتلاتا ہوں۔

توجہ کی دو قسمیں

توجہ کی دو قسمیں ہیں ایک توجہ اختیاری وہ تو ہمت اور تصرف کا نام ہے کہ شیخ مرید کے قلب کی طرف متوجہ ہوکر اس میں کوئی تصرف کردے۔ اس کا اثر دیر پا نہیں ہوتا فوری اثر ہوتا ہے اس وقت تو قلب میں ایک کیفیت پیدا ہوجاتی ہے کچھ دیر کے بعد زائل ہوجاتی ہے۔ دوسری توجہ غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ تم شیخ کی طاعت کرو اس کو راضی رکھو اس سے خود بخود شیخ کے دل میں تمہاری محبت پیدا ہوجائے گی بڑا فائدہ اس سے ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں تمہارا خیال شیخ کے دل میں رہے گا اور حق کی نظر شیخ کی طرف رہتی ہے تو جب تم اس کے دل میں بیٹھے رہو گے تو تم کو بھی اس نظر حق سے حصہ عطا ہوجائے گا پھر وہ نظر تمہارا کام بنادے گی بس یہ توجہ اس قابل ہے کہ اس کے لیے کوشش کی جائے۔

طالبین تصرف

مگر آج کل اس کی کوشش نہیں کی جاتی صرف تصرف کے طالب ہوتے ہیں تاکہ خود آرام سے رہیں کچھ کرنا نہ پڑے اور اس آرام طلبی میں یہاں تک غلو ہوا ہے کہ بعض مریدوں کی یہ حالت ہے کہ پیر ایسا تلاش کرنا چاہتے ہیں جو خود ان

---

(1) ارادہ

کی خاطر کرے۔ خود شیخ کی اطاعت کرنا نہیں چاہتے مجھ سے ایک اودھ کے رئیس کہنے لگے کہ مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب کے یہاں تو مریدوں کی بڑی بے قدری ہوتی ہے ہر وقت نکالنے کا حکم زبان پر رہتا ہے کوئی ایسا شیخ بتاؤ جہاں مریدوں کی قدر ہوتی ہو انا للّٰہ وانا الیہ راجعون لیجیے یہ طلب رہ گئی ہے کہ مرید یہ چاہتے ہیں کہ پیر ایسا ہو جو ہماری قدر کرے جس مرید کو اپنی قدر کرانے کی خواہش ہوگی وہ کیا خاک شیخ کی اطاعت کرے گا۔

طلب کی حقیقت

طلب تو اس کا نام ہے کہ مرید اپنی طرف سے اس کے لیے بھی آمادہ رہے کہ اگر شیخ برسر بازار بھی جوتیاں مارے تو ذرا سا میل بھی دل میں نہ آئے اگرچہ شیخ عمر بھر بھی کبھی ایسا نہ کرے مگر مرید کو ہر وقت اس کے لیے تیار رہنا چاہیے اور بعضے مشائخ ایسا کرتے بھی ہیں حضرت حاجی صاحبؒ نے مکہ میں ایک شیخ کو دیکھا کہ مرید سے اٹھک بیٹھک کرا رہے ہیں حاجی صاحب کے ایک مرید بیان کرتے تھے کہ حضرت نے یہ منظر دیکھ کر ان سے فرمایا کہ کبھی ہم کو بھی اٹھک بیٹھک کراتے تم نے دیکھا ہے واقعی ہمارے مشائخ تو رحمت مجسم ہیں وہ مریدوں کو ایسی سزائیں کبھی نہیں دیتے اور خصوصاً حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں تو رحمت ہی رحمت تھی۔ غصہ کبھی آتا ہی نہ تھا مگر ایسے پیروں کی لوگ قدر نہیں کرتے ہاں ان کی قدر کرتے ہیں جو بات بات میں سینکڑوں سناتے ہیں دوسرے یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پیر کی توجہ سے گناہوں سے بچ بھی گئے تو اس میں تم کو کیا ثواب ملے گا کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ ثواب تو امور اختیاریہ پر ہوتا ہے اور جب پیر کی توجہ اور نظر سے تم گناہ ہی نہ کرسکے یا گناہوں کا خیال ہی تمہارے دل میں نہ آیا تو اختیار کہاں رہا اور

جب اختیار نہ رہا تو ثواب بھی نہ ہوگا۔ عنین[۱] اگر زنا سے بچا رہا تو کیا کمال کیا اور اس کو زنا سے بچنے کا ثواب ہی کیا ملا جب کہ وہ زنا پر قادر ہی نہیں ثواب اسی شخص کو ملے گا جو زنا پر قادر ہے اور اس کے دل میں وساوس بھی آتے ہیں پھر خدا کے خوف سے نہیں کرتا۔

بزرگوں کو استقامت مجاہدہ کی بدولت ملی

یاد رکھو بزرگوں میں یہ استقامت اور گناہوں سے احتیاط کسی کی توجہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ ان کو یہ دولت مجاہدہ سے ملتی ہے اور مجاہدہ سے مراد وہی ہے مخالفت نفس۔ بس اسی طریقہ سے تم بھی گناہوں سے بچ سکتے ہو نفس معاصی کا تقاضا کرتا ہے اس کو روکو اور طاعت میں کسل[۲] کرتا ہے اس کا مقابلہ کرو۔ بس یہی خلاصہ ہے تمام تصوف کا اذکار، اشغال اور مراقبات بھی اسی لیے کیے جاتے ہیں تاکہ نفس کے تقاضوں کا مقابلہ آسان ہوجائے اور ہمت میں قوت اور برکت پیدا ہوجائے چنانچہ ایک مراقبہ اس آیت میں بھی تعلیم کیا گیا ہے جس کو میں نے تلاوت کیا تھا **من کان یرجو لقاء اللہ فان اجل اللہ لات** کہ جس شخص کو خدا سے ملنے کا اشتیاق یا خوف ہو وہ اس کو سوچا کرے کہ خدا سے ملنے کا وقت ضرور آنے والا ہے جنت اور دوزخ کے احوال و اہوال[۳] کے سوچنے سے دل میں رغبت اور خوف پیدا ہوگا اور نفس کا مقابلہ سزا کے استحضار[۴] سے آسان ہوتا ہے اور طاعات میں مشقت و محنت ثواب کے استحضار سے سہل ہوتی ہے تو اس مراقبہ سے دونوں کام بن جائیں گے گناہوں سے بچنے کی بھی ہمت ہوجائیگی اور طاعات میں کسل[۵] بھی نہ رہے گا۔ جس وقت نفس میں معصیت کا

---

(۱) نامرد (۲) فرمانبرداری میں سستی کرتا ہے (۳) اچھی بری حالتیں (۴) ہر وقت سزا کی فکر ہونے (۵) سستی

تقاضا پیدا ہو اس وقت پانچ منٹ کے لیے دوزخ کا تصور کرلینا چاہیے کہ اس تھوڑی سی لذت کا انجام یہ ہوگا کہ سخت عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا اور جس وقت طاعات میں سستی اور کاہلی پیدا ہو اس وقت جنت کی نعمتوں کا تصور کرنا چاہیے کہ ذرا سی مشقت برداشت کرلینے سے ابدالآباد کی راحت نصیب ہوگی تو صاحبو! جس کسی کو گناہوں سے بچنے کا شوق ہو وہ قرآن کی اس تعلیم پر عمل کرے ہمارے اندر رغبت اور خوف دونوں کی بہت کمی ہے اسی وجہ سے ہم گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں اگر یہ دو باتیں پیدا ہوجائیں تو پھر کبھی معاصی کا ارتکاب ہی نہ ہو اور نہ طاعت میں سستی ہو۔

حضور اکرم ﷺ کی دو شانیں

اسی واسطے حضور ﷺ کی دو شانیں حق تعالیٰ نے بیان فرمائیں ہیں مبشراً و نذیراً کہ آپ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہیں یعنی بندوں میں رغبت اور خوف پیدا کرنے والے ہیں جس پر تمام دین کا مدار ہے اس کے بدوں دین کامل نہیں ہوسکتا البتہ یہ ضرور ہے کہ طبائع مختلف ہیں کہیں زیادہ خوف انفع[1] ہوتا ہے کہیں زیادہ رغبت زیادہ نافع ہوتی ہے تو حضور ﷺ میں ان دو شانوں کے ہونے کا راز وہی ہے جو میں نے ابھی بیان کیا ہے۔

ہر مسلمان کو دو حالتیں پیش آتی ہیں

تمام مسلمانوں کو دو حالتیں پیش آتی ہیں ایک تقاضا معصیت کا دوسرے سستی اور کسل طاعات میں حق تعالیٰ نے ان دونوں کا علاج اس طرح کیا کہ

---

(۱) زیادہ نفع کا باعث

حضور ﷺ میں یہ دو شانیں رکھدی بشیر و نذیر آپ بشارت دے کر سستی اور کسل کو دور فرماتے ہیں اور عذاب سے ڈرا کر معاصی سے بچاتے ہیں اور نفس کے تقاضے کو کمزور بناتے ہی پس جس وقت طاعات میں نفس سستی کرے فوراً یاد کرو کہ اس کے چھوڑنے میں عذاب ہوگا اور بجالانے میں ثواب ملے گا اور جب گناہوں کا تقاضا ہو فوراً سوچو کہ اس کے کرنے سے عذاب ہوگا اور چھوڑنے سے ثواب ملے گا۔

آخرت کے ثواب و عذاب کی ضرورت استحضار

اعتقاداً تو ہر مسلمان کو عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کا یقین ہے ہی مگر اعتقادی علم کافی نہیں ہے بلکہ اس کے استحضار کی بھی ضرورت ہے اس کا مراقبہ اتنا کرنا چاہیئے کہ ہر وقت عذاب و ثواب کا خیال دل میں حاضر رہے اسی لیے حق تعالیٰ نہایت تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں **فان اجل الله لات** (سو مدت معین ضرور آنے والی ہے) اس میں ان حرف تاکید ہے اس کے بعد خبر پر لام تاکید ہے پھر جملہ اسمیہ خود تاکید کو موجب ہے مطلب یہ ہے کہ آخرت کا آنا بالکل یقینی ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں اب آپ خود سوچ لیں کہ جس طرح ہم کو دوسری یقینی باتوں کا استحضار ہوتا ہے کیا ایسا ہی استحضار آخرت کا بھی ہے مثلاً اگر کسی شخص کو پھانسی کا حکم سنا دیا جائے تو اندازہ کرلیجیے کہ اس کی کیا حالت ہوجاتی ہے اگرچہ حکم سنانے کے بعد پھانسی دیدینا حاکم کے اختیار میں **من کل الوجوه**[1] نہیں ممکن ہے کہ آگے چل کر اپیل منظور ہوجائے مگر ان سب احتمالات کے باوجود پھر بھی جو حالت اس شخص کی ہوتی ہے جس کو پھانسی کا حکم سنایا گیا ہے اس سے کوئی ناواقف نہیں وہ ان احتمالات پر مطلق نظر نہیں کرتا

---

(۱) ہر اعتبار سے نہیں ہے

اس کے سر پر ہر وقت موت کھیلتی ہے اور وہ مرنے سے پہلے مردہ ہوجاتا ہے آپ نے دیکھ لیا کہ ایک ادنیٰ حکم کا انسان پر کیا اثر ہوتا ہے جس کا واقع ہونا آخرت کے برابر یقینی ہرگز نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس دن نوشہ (۱) کی شادی ہوتی ہے اس دن اس کی خوشی کا اندازہ کیا جائے کہ اس کو اپنی مسرت میں کھانے پینے کی بھی خبر نہیں رہتی حالانکہ ابھی بارات ہی آئی ہے نکاح بھی نہیں پڑھا گیا ممکن ہے کہ نکاح کے وقت کسی بات پر تکرار ہوجائے اور ساری شادی رُل رلا جائے چناچہ بعض دفعہ ایسے واقعات پیش بھی آئے ہیں مگر اس کو ایسی مسرت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے ان احتمالات کا وہم بھی اس کو نہیں آتا اس سے معلوم ہوا کہ جن باتوں کا ہم کو یقین یا غلبہ ظن ہوجاتا ہے اس کی مسرت یا دہشت اس درجہ غالب ہوتی ہے کہ ہر وقت اسی کا دھیان بندھا رہتا ہے۔ کیوں صاحبو! سچ بتلائیے گا کیا آخرت کے ثواب وعذاب کا بھی ہم کو ایسا ہی دھیان اور ایسا ہی استحضار ہے ہرگز نہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ کیا آخرت کے ثواب وعذاب کا یقین نہیں اگر یہ بات ہے تو ایمان کی خیر منانی چاہیے اور اگر یقین ہے تو پھر اس کا استحضار کم کیوں ہے۔ بات یہ ہے کہ پھانسی کا حکم سننے والا اپنی آئندہ حالت کو بار بار سوچتا رہتا ہے کہ مجھے اس طرح لٹکایا جائے گا یوں گلے میں رسی پڑے گی پھر میں اس طرح تڑپوں گا ان باتوں کے سوچنے سے اس کے اوپر غم سوار ہوجاتا ہے اور موت ہر دم سامنے کھڑی رہتی ہے اسی طرح شادی کرنے والا آئندہ کے عیش و عشرت کو سوچ سوچ کر اس سے بار بار مزے لیتا ہے اس لیے وہ خیال اس کے دل پر غالب ہوجاتا ہے اور آخرت کے بارے میں ہم لوگ اجمالی علم پر اکتفا کرتے ہیں اس کی تفصیل کو بار بار نہیں سوچتے ورنہ یہاں بھی وہی حالت ہوجاتی دیکھیے جب آدمی کہیں سفر

(۱) دولہا

کرتا ہے اور اپنے کاموں سے فارغ ہو کر سامان ساتھ لیکر وطن کا قصد کرتا ہے تو گھر پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں وہ اپنے دل سے اس طرح باتیں کیا کرتا ہے کہ اب جلدی گھر پہنچ کر بیوی بچوں سے ملیں گے بیوی کو فلانا زیور پہنائیں گے۔ بچوں کو یہ کھلونے دیں گے ان سے وہ خوش ہوں گے اور فلاں کمرہ کو اس سامان سے سجائیں گے اس کے واسطے خس کی ٹٹیاں خریدی ہیں وہاں یہ خس کی ٹٹیاں لگائیں گے غرض سارے راستہ وہ اسی حدیث النفس میں مشغول رہتا ہے اور اس انہماک میں محض تصور سے بعض دفعہ اس سے وہ حرکات صادر ہوتی ہیں جو وقوع کے وقت ہوتیں۔

آخرت کے لیے حدیث النفس پیدا کرنے کی ضرورت

اسی طرح کوئی تجارت شروع کرتا ہے تو اس میں بھی حدیث النفس قائم ہوجاتا ہے اپنے دل ہی میں خرید و فروخت آمدنی اور خرچ نفع اور نقصان کا حساب لگاتا رہتا ہے۔ غرض دنیا کے ہر کام میں حدیث النفس ضرور پیدا ہوتا ہے اور اسی کی وجہ سے ہر دم اپنے نفع و نقصان کی فکر رہتی ہے افسوس ہے کہ آخرت کے لیے یہ حدیث النفس کبھی پیدا نہیں ہوتا اس وقت بھی جتنے حاضرین ہیں سب اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ چوبیس گھنٹوں میں کسی وقت بھی آخرت کا سوچ بچار اور حدیث النفس پیدا ہوتا ہے کبھی تمہارا دل یہ سوچتا ہے کہ ہم ایک دن مریں گے عذاب اور ثواب ہوگا خدا کے سامنے جانا ہوگا اس کام سے خدا تعالیٰ ناراض ہوں گے فلاں کام سے راضی ہوں گے اس کو نہ کرنا چاہیئے اس کو کرنا چاہیئے اس طرح آپ کا دل باتیں کرتا ہے کبھی نہیں، بس اجمالاً اعتقاد یہ ہے کہ جنت حق ہے جہنم حق ہے مگر میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہ اجمالی اعتقاد اصلاح کے لیے کافی نہیں یہ سوچ بچار اور حدیث النفس اپنے اندر پیدا کرو اگر یہ پیدا ہوجائے تو سب کام

درست ہوجائیں اور پھر بھی اگر کچھ کمی ہوگی تو اسی سوچ بچار کی کمی سے ہوگی۔ تو صاحبو! یہ تدبیر گناہوں سے بچنے کی ہے نہ کہ پیر کی خالی توجہ اس کو پیدا کرو۔

اپنے اصلی گھر کا تصور

اگر پہلے پہل اس میں کچھ تکلیف بھی ہوگی تو وہ اس تکلیف سے کم ہوگی جو معصیت کے بعد ہوگی اور گناہوں سے خود دنیا میں بھی بہت تکلیف ہوتی، آخرت کا عذاب تو جدا رہا گناہ سے طبیعت پر توحش دل میں تاریکی اور گھٹن اور بے چینی پیدا ہوتی ہے تو اس مراقبہ یعنی دھیان اور سوچ بچار میں اس سے تو کم ہی تکلیف ہوگی اور دو چار دن کے بعد جو لطف آئے گا اس کو تم خود دیکھ لوگے اس کے لیے روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ مقرر کرلو اس میں یہ سوچا کرو کہ پہلے ہم کیا تھے کہاں تھے اور دنیا میں کس لیے آئے ہیں پہلے ہم جنت میں تھے وہی ہمارا اصلی گھر ہے وہاں پہنچنے کے لیے ہم کو دنیا میں کچھ کام کرنا چاہیے اور گناہوں سے بچنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ اپنے اصلی گھر سے بچھڑ جائیں اور دوزخ کی قید میں پھنس جائیں۔ دنیا کے زوال و فنا کو بھی سوچو کہ یہاں آخر ہم کب تک رہیں گے ایک دن تو یہاں سے جانا ہی ہے۔

دلا تا کے دریں کاخ مجازی کنی مانند طفلان خاک بازی
توئی آں دست پرور مرغ گستاخ کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرازاں آشیان بے گانہ گشتی چوبو و ناں چغد ایں ویرانہ گشتی

(اے دل کب تک اس مجازی محل میں بچوں کی طرح خاک بازی کرتا رہے گا تو وہی ہاتھ کا پلا ہوا مرغ گستاخ ہے کہ تیرا آشیانہ اس محل سے باہر تھا کیوں اپنے اصلی آشیانہ سے بیگانہ ہوگیا ہے مانند الوؤں کے اس ویرانہ میں ہے)

روزانہ اس طرح تصور کرنے سے انشاء اللہ آخرت کا حدیث النفس آپ

کے دل میں پیدا ہوجائے گا پھر انشاء اللہ سب کام بن جائیں گے۔ گناہوں کا بھی خیال نہ آئے گا اور اگر خیال آیا بھی تو اس کا مقابلہ آسان ہوگا اور اعمال وطاعت میں بھی سستی اور کسل نہ ہونے پائے گا۔ ایک مقصود تو میرا یہ تھا جس کو بحمداللہ میں نے بہت تفصیل کے ساتھ بیان کردیا اب ایک بات رہ گئی بیان کرکے میں مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بعض طبائع میں مستقبل کی چیز کے حالات میں غور کرنے سے اثر کم ہوتا ہے اور حاضر کے تصور کا زیادہ اثر ہوتا ہے اس لیے ممکن ہے کہ ایسے لوگوں پر آخرت کے تصور کا اثر نہ ہو کیونکہ وہ اس کو من کل الوجوہ (۱) مستقبل سمجھتے ہیں میں اس وقت بتلانا چاہتا ہوں کہ عالم آخرت من کل الوجوہ مستقبل نہیں------ ایک طرح سے وہ حاضر بھی ہے اس طرح سے کہ آخرت کا زمانہ تو غائب ہے کہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ حساب کتاب کب ہوگا اور جنت میں جانا کب نصیب ہوگا لیکن مکان آخرت اس وقت بھی حاضر ہے۔

تصور جنت

کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور وہ اس وقت حاضر ہے اور اس کی سمت محسوس بھی ہے تو ہم کو چاہیے کہ جنت کا تصور اس طرح کریں کہ گویا یہ مکان جہاں ہم رہتے ہیں دو منزلہ مکان ہے ایک منزل جو اوپر ہے وہ ہمارا اصلی مکان ہے اور یہ منزل جہاں ہم اس وقت موجود ہیں ہمارا اصلی مکان نہیں ہے بلکہ یہاں عارضی طور پر آئے ہیں اور ہر منزل میں پیدا کرایہ دار رہتا ہے اسی طرح تم اپنے آپ کو سمجھو کہ سودا لینے کے واسطے اوپر کی منزل سے نیچے آئے ہیں الدنیا مزرعة الاخرة (دنیا آخرت کی کھیتی ہے)

(۱) ہر اعتبار سے

تو کیا کبھی ایسا سنا ہے کہ بمبئی کے مکانوں میں اوپر کی منزل والا اگر سودے وغیرہ کے لیے نیچے اترا ہو تو اپنی منزل کو بھول گیا ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تم بھی اسی طرح ایک منزل سے دوسری منزل میں سودا خریدنے کے واسطے آئے تھے حیرت ہے کہ تم اپنی اصلی جگہ کو بھول گئے پس جن لوگوں کی طبائع مستقبل کی چیز کے تصور سے متاثر نہیں ہوتیں وہ خوب سمجھ لیں کہ زمان آخرت گو اس وقت معدوم ہے مگر مکان آخرت تو معدوم نہیں وہ آپ کے سر کے اوپر موجود ہے اس کا تصور کیا کرو کہ ہم پہلے اوپر کی منزل میں تھے وہاں ایسی راحت اور چین ہے کہ یہاں اس کے برابر خاک بھی راحت نہیں اور اس منزل میں ہم صرف اس واسطے آئے ہیں کہ حق تعالیٰ کی عبادت اچھی طرح کریں تو پھر ہم اس منزل میں پہنچ جائیں گے ایسا نہ ہو کہ ہم سے طاعات میں کوتاہی ہو جائے اور اپنے اصلی گھر سے ہم محروم کر دیے جائیں اور کسی دوسرے کو وہ جگہ دے دی جائے اس تصور کا بہت زیادہ اثر ہوگا اسی طرح ان زمینوں کے نیچے دوزخ ہے جو بالکل آپ کے پیروں تلے ہے تو بجائے اس کے کہ تم آگرہ کے جیل خانہ کا تصور کرو یہ تصور زیادہ باعث خوف ہے کہ دوزخ کا جیل خانہ ہر وقت ہمارے پیروں کے نیچے ہے جب تم دوزخ کو اس طرح تصور کرو گے تو بعض دفعہ زمین پر چلتے ہوئے بھی ڈر لگے گا کہ اس کے نیچے جیل خانہ آگ سے بھرا ہوا دہک رہا ہے خدا نہ کرے کہ ہم اس میں ڈال دیے جائیں۔ غرض کہ جنت آپ کے سر پر ہے اور دوزخ پیروں کے نیچے ہے اور تم دونوں کے بیچ میں ہو پھر آخرت کو من کل الوجوہ غائب کیوں سمجھتے ہو اب تو بہت زیادہ ڈرنا چاہیے کہ دیکھیے ہمارے اعمال صالحہ ہم کو اوپر چڑھاتے ہیں یا اعمال سیئہ ہم کو نیچے دھکا دیتے ہیں اگر ہم نے اب بھی اصلاح نہ کی تو دوزخ کہیں دور نہیں ہمارے نیچے ہی موجود ہے اور ہم اسی کے اوپر چلتے پھرتے ہیں اسی کے

اوپر غافل ہو کر سوتے ہیں اور اسی سے بے خبر ہو کر گناہ کرتے ہیں یہاں سے حکمت معلوم ہو گئی ہوگی جنت اور دوزخ کے اتنے پہلے پیدا کیے جانے کی اگر جنت و دوزخ اس وقت بالکل معدوم ہوتی تو ان کے تصور کا بعض طبائع پر بالکل اثر نہ ہوتا موجود شئے[1] کے تصور کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے اور بھی خدا جانے کیا کیا حکمتیں ہوں گی جن میں سے ایک اس وقت سمجھ میں آ گئی۔

تصور آخرت

تو بس آخرت کے تصور کے لیے اس دو منزلہ مکان اور تہ خانہ والے جیل خانہ کا تصور کرلیا کرو انشاء اللہ اس سے اعمال صالحہ کی فکر ہوگی اور گناہوں سے بچنے کی ہمت ہوگی پھر جب فکر پیدا ہو جائے گی تو طلب بھی پیدا ہو جائے گی اور طلب کے بعد محرومی نہیں ہوا کرتی یہی طریقہ اعمال صالحہ کی آسان کرنے کا اور گناہوں سے بسہولت بچنے کا اس آیت میں تعلیم کیا گیا ہے آگے فرماتے ہیں وهو السميع العليم۔

دوسرا مراقبہ

یہ ایک دوسرا مراقبہ ہے یعنی حق تعالیٰ ہر بات کو سنتے اور ہر حالت کو ہماری جانتے ہیں پس ہر کام کے وقت یہ بات بھی حاضر رکھا کرو اس سے اور زیادہ رغبت اور خوف میں ترقی ہوگی کہ حق تعالیٰ ہر وقت ہمارے اقوال و احوال کو سنتے اور جانتے ہیں تو یہ کیسی بے حیائی ہے کہ ان کو سنا سنا کر دکھا دکھا کر گناہ کیے جائیں اور یہ کیسی بے غیرتی ہے کہ حاکم حقیقی کے سامنے سے بھی اس کی اطاعت

---

(۱) موجود چیز

اور تابعداری نہ کی جائے۔ صاحبو! حکام کے پیچھے تو انسان کو مخالفت کی ہمت ہوجاتی ہے مگر سامنے تو ہر شخص کا یہی دل چاہتا ہے کہ اس کو خوش کیا جائے اور ناراض نہ کیا جائے سو خوب جان لو کہ حق تعالیٰ جو کہ حاکم حقیقی ہر وقت تمہارے سامنے ہیں تم چاہے ان کو نہ دیکھو مگر وہ ہر دم تم کو دیکھ رہے ہیں اس حالت میں تو اطاعت بجالاؤ اور معصیت سے باز آؤ۔ عشاق کی تو اس تصور میں عجیب حالت ہوجاتی ہے کہ محبوب حقیقی ہمارے ذکر کو سن رہے ہیں ہماری نماز کو دیکھ رہے ہیں ان پر جو کیفیت اس تصور میں گزرتی ہے اس کو ان کا دل ہی جانتا ہے وہ تو یوں کہتے ہیں۔

ہمنیم بس کہ داند ماہ رویم
کہ من نیز از خریداران اویم

(یہی کافی ہے کہ ہمارا محبوب جان لے کہ میں اس کے خریداروں میں ہوں)

اور یوں کہتے ہیں۔

دلارامی کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جس سے تم نے دل لگایا ہے پھر تمام جہاں سے آنکھیں بند کرلو)

اہل اللہ کو مصائب اور تکلیف آسان معلوم ہونے کا سبب

یہی تو وجہ ہے کہ اہل اللہ پر تمام تکالیف اور مصائب سہل [1] ہوجاتے ہیں کیونکہ وہ مصیبت کے وقت یہ سمجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ جن کی محبت میں یہ

---

(۱) مصیبتیں آسان ہوجاتی ہیں

تکلیف ہم کو پہنچی ہے وہ خود دیکھ رہے ہیں تو عاشق کے لیے اس سے زیادہ کیا بات ہوگی کہ محبوب دیکھ رہا ہے کہ میری محبت کی وجہ سے اس پر یہ کلفت اور مصیبت آئی ہے اور یہ اف نہیں کرتا اس حالت میں بھی میری محبت میں ثابت قدم ہے ایک عاشق کے لوگ تازیانے مار رہے تھے سو تازیانے پڑنے تک اس نے اف بھی نہیں کی اس کے بعد آہ کی کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ کہ تم نے سو تازیانے خاموش ہو کر کھالیے اف بھی نہ کی اور اس ایک تازیانے میں آہ کرنے لگے اس نے کہا کہ سو تازیانوں تک تو وہ شخص میرے سامنے موجود تھا جس کی وجہ سے میرے اوپر تازیانے پڑ رہے تھے اور سو کے بعد وہ چلا گیا۔ جب تک وہ میرے سامنے رہا اس وقت تک مجھے تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوا۔ مجھے ایک حظ آرہا تھا کہ جس کی وجہ سے مجھ پر یہ مصیبت آئی ہے وہ میرا حال خود دیکھ رہا ہے اس کے پیٹھ موڑنے کے بعد یہ لطف تو ختم ہوگیا تکلیف کا احساس ہونے لگا گویا اس وقت یہ حال تھا۔

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

(تیری محبت کے جرم میں مجھ کو قتل کرتے ہیں اور اسی کا شور وغل ہے تو بھی بام آجا تو سب سے اچھا تماشائی ہے)

سو عاشقان جمال حقیقی کو ہر دم اپنا محبوب سامنے ہی معلوم ہوتا ہے وہ کبھی ان کی نظر سے غائب نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہر جگہ موجود ہے اور اپنے عشاق کے ساتھ ساتھ ہے واللہ معکم اینما کنتم اس تصور اور حضور ﷺ کی وجہ سے ان پر تمام مشقتیں آسان ہو جاتی ہیں۔

محبت حق بہت بڑی دولت ہے

واللہ محبت حق بڑی دولت ہے اس کے برابر کوئی دولت نہیں اور نہ کوئی چیز راحت میں اس کے برابر ہے اس کے لیے پوری کوشش کرنا چاہیے جس کا طریقہ یہی ہے کہ معاصی سے اجتناب[1] کرو اور طاعات کا اہتمام کرو اب دعا کیجیے کہ حق تعالیٰ ہم کو توفیق عمل اور فہم سلیم عطا فرمائے آمین۔

اختتام

اس کے بعد حضرت والاؒ نے حسب معمول دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر پوشیدہ طور پر نہایت خشوع کے ساتھ دعا فرمائی حاضرین بھی جو اس بیان سے بہت زیادہ متاثر ہو چکے تھے عاجزی کے ساتھ دعا کرتے رہے۔ الٰہی اپنے اس ناچیز غلام کو بھی اپنی محبت کاملہ سے نواز دیجیے اور معاصی کے اجتناب اور طاعات کے امتثال کی توفیق اور ہمت پوری عطا فرمایئے اور حضرت حکیم الامت دام مجدہم اور میرے سب مشائخ کی نوت اور عمر میں برکت عطا فرمایئے۔

و متعنا اللهم بفيوضهم و بركاتهم وارزقنا فى الجنة مرافقتهم و دخول ورجاتهم آمين و صلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد و على آله واصحابه وسلم وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

---

(١) گناہوں سے بچو